قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

طلوعِ اسلام

ماہنامہ ——— لاہور

مجلسِ ادارت

مُدیرِ مسئول: محمد لطیف چوہدری
معاون : ثریا عندلیب

ناشر : شیخ عبدالحمید
طابع : خالد منصور نسیم
مطبع : النور پرنٹرز و پبلشرز
۳/۲ فیصل نگر۔ ملتان روڈ۔ لاہور ۲۵
ٹیلیفون ——— ۲۷۵۸۲۶

مقامِ اشاعت : ۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱

فروری ۱۹۹۰ء
جلد ۴۳ شمارہ ۲

بدلِ اشتراک
سالانہ
پاکستان ——— ۶۰ روپے
بیرونی ممالک ——— (بذریعہ سمندری ڈاک) ۱۲۵ روپے
فی پرچہ : -/۵ روپے

خط و کتابت
ناظم ادارہ طلوعِ اسلام (رجسٹرڈ)
۲۵/بی۔ گلبرگ ۲، لاہور ۱۱
پوسٹ کوڈ ———
ٹیلیفون : ۸۷۹۲۴۶

فہرست مضامین

۱	سیمینار	ادارہ	۲
۲	لمعات	ادارہ	۳
۳	ہمارا مقصدِ حیات کیا ہے	اعزاز الدین احمد خاں	۷
۴	نورِ مبین	ادارہ	۲۵
۵	عورت کا قرآن	جمیلہ خاتون	۳۸
۶	کیا ہمیں قرآن عزیز ہے	ثریا عندلیب	۴۳
۷	مودودی، غلام احمد پرویز اور ڈاکٹر اسرار احمد کی فکر خام اور تحریکیں ناکام ہیں (طاہر القادری)	(انٹرویو) ڈاکٹر سید عبدالودود	۴۹
۸	حقائق و عبر	ادارہ	۵۶
۹	ایمان (قرآن بچوں کے لئے)	قاسم نوری	۵۹
۱۰	اسے بھی دیکھ لیجئے	ادارہ	۶۵
۱۱	*BOOK REVIEW*		۶۸
۱۲	*ONLY ONE QUESTION*	*G A PARWEZ*	

طلوعِ اسلام

سیمینار

بتقریب گولڈن جوبلی قرار دادِ پاکستان

اوقات ــــــ پہلا اجلاس ــــــ ۹½ بجے صبح

ــــــ دوسرا اجلاس ــــــ ۳ بجے بعد دوپہر

تاریخ ــــــ ۲۳ فروری جمعتہ المبارک

مقام ــــــ واپڈا آڈیٹوریم۔ واپڈا ہاؤس، لاہور

موضوعات

- تحریکِ پاکستان کے حقیقی مقاصد
- ان مقاصد کے حصول کیلئے ہماری کوششیں، کوتاہیاں اور دشواریاں
- پاکستان کے مستقبل کے لئے ہماری امیدیں
- منزل ہے کہاں تیری اے لالۂ صحرائی!
- اسلامی معاشرے میں عورت کا مقام
- حقیقت خرافات میں کھوگئی

آڈیٹوریم میں محدود گنجائش کے پیشِ نظر داخلہ بذریعہ دعوت نامہ ہوگا۔ دعوت نامے ادارہ طلوعِ اسلام۔ ۲۵۔بی گلبرگ II لاہور سے حاصل کئے جا سکتے ہیں ۔ اراکینِ بزمہائے طلوعِ اسلام کے علاوہ کیمپ میں رہائش کے لئے پیشگی اجازت لازمی ہوگی۔

ــــــ کنوینر مجلس منتظمہ

طلوعِ اسلام سیمینار

لمعات

اِن دنوں مملکتِ پاکستان اور مِلّتِ پاکستان دونوں اپنی تاریخ کے شدید ترین بحران سے دوچار ہیں۔ عدم تحفّظ کا عمومی احساس، خوف و ہراس، عزّت و عصمت کی بے حرمتی، نفسِ انسانی کی بے بضاعتی کمر توڑ مہنگائی، قتل و غارت گری، لاقانونیت، اسلحہ کی فراوانی، خونِ انسان کی ارزانی۔ اس قدر عام ہوگئی ہے کہ اپنے گھر اور چاردیواری میں بھی کوئی شخص خود کو محفوظ نہیں سمجھتا۔

نئے سال کا آغاز ہوتے ہی مُلک اور قوم دو ایسے حادثات سے دوچار ہوئے جنہوں نے روحوں تک کو لرزا دیا۔ پنجاب میں حافظ آباد روڈ پر نہر لوئر چناب کا پُل گر گیا اور شدید مالی اور جانی نقصان ہُوا۔ دوسرا حادثہ سِندھ میں سکھر کے قریب روہڑی سیکشن پر سانگی ریلوے اسٹیشن پر پیش آیا، جہاں دو ٹرینیں (بہاؤالدین ذکریا ایکسپریس اور لاڑکانہ سپیشل) آپس میں ٹکرا گئیں اور پل بھر میں پانچ سو کے قریب افراد لقمۂ اجل بن گئے۔ ایک ہزار سے زائد بُری طرح زخمی ہوئے۔ کئی کے اعضاء کٹ گئے۔ کئی ہمیشہ کے لئے معذور ہو گئے۔ متعدد خاندان زندگی بھر کی خوشیوں اور وسیلوں سے محروم ہوگئے۔ اس حادثہ کو پاکستان ریلوے کی تاریخ کا سب سے بڑا حادثہ قرار دیا گیا۔ سارا مُلک سوگ میں ڈوب گیا۔ ملک کی وزیرِ اعظم نے اس امکان کو کھلے لفظوں میں بیان کیا کہ یہ حادثہ تخریب کاری کا نتیجہ بھی ہو سکتا ہے۔ اس واقعہ کے صرف تین دِن بعد ایک اور ہولناک حادثہ ہوتے ہوتے رہ گیا۔

جب کوئٹہ سے لاہور آنے والی چلتن ایکسپریس شام کوٹ ریلوے اسٹیشن کے نزدیک شالیمار ایکسپریس سے ٹکراتے ٹکراتے رہ گئی۔ دونوں ریل گاڑیاں ایک ہی ٹریک پر آمنے سامنے آگئی تھیں، اگر یہ دونوں مسافر گاڑیاں ٹکرا جاتیں تو کئی ہزار انسان زخمی اور جاں بحق ہو سکتے تھے۔

کوئٹہ شہر اور کنٹونمنٹ کے علاقے میں راکٹوں کی بارش جو ۲۹۔ اور ۳۰، دسمبر ۱۹۸۹ء کی درمیانی شب کو ہوئی وہ بھی لرزا دینے کیلئے کچھ کم نہیں ہے۔ قبل ازیں سندھ حیدر آباد میں دِن دہاڑے سینکڑوں افراد

کا قتلِ عام اور عوام و حکام کی بے بسی کے علاوہ عوام الناس کی بے حمیتی اور بے حسی کے واقعات بھی قلبِ حساس کے تڑپا دینے کے لئے بہت کافی ہیں منڈا گڑین کے حادثے میں جب موت کا رقص جاری تھا اور اعضاء کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔ چیخ و پکار اور مدد مدد کی فریادیں گونج رہی تھیں۔ کچھ لوگ جن میں مبینہ طور پر پولیس کے ملازمین بھی شامل تھے ٹرالیاں بھر بھر کر لوٹ مار میں مصروف تھے۔ (جنگ لاہور، رجنوری ۱۹۹۰ء) پاک فوج کے سپاہیوں نے رنگے ہاتھوں تین پولیس والوں کو گرفتار کیا ہے۔ (جنگ لاہور ۸ رجنوری ۱۹۹۰ء)

اس کے بعد یہ بھی پڑھ لیجئے کہ وفاقی وزارتِ داخلہ کے کنٹرول روم نے دس صفحات پر مشتمل رپورٹ شائع کی ہے۔ اس رپورٹ میں تیس نومبر تک کی رپورٹ درج ہے۔ یعنی ۳۰ نومبر ۱۹۸۹ء تک حکومت کی اپنی تحقیق اور اندازوں کے مطابق صورتِ حال مندرجہ ذیل تھی۔

- اس وقت ملک میں دس لاکھ کلاشنکوفیں (غیر قانونی کلاشنکوف رفلیں) موجود ہیں۔
- صرف ایک برس کے دوران ملک بھر میں پانچ ہزار آٹھ سو اڑتالیس افراد قتل ہوئے ہیں۔
- دو ہزار تین سو چھبیس رہزنی اور ڈکیتی کی وارداتیں ہوئی ہیں۔
- نو سو پچاس (ایک ہزار کے لگ بھگ) لڑکیاں اغواء ہوئی ہیں۔

اور یہ صرف وہ تعداد ہے جن کا ریکارڈ موجود ہے یا جن کے مقدمات درج ہوئے ہیں۔ یقیناً اس سے کئی گنا زیادہ ایسے بھی واقعات ہونگے جن کا اندراج نہیں ہو سکا ہوگا۔ اور اب ۷ رجنوری ۱۹۹۰ء کے جنگ لاہور کا ایڈیٹوریل کالم بھی دیکھ لیجئے جس میں بتایا گیا ہے کہ کراچی پولیس نے آٹھ تعلیمی اداروں کے ہوسٹلوں پر چھاپے مارے اور خود کار ہتھیاروں کے علاوہ گولیوں کے سینکڑوں راؤنڈ بھی برآمد کئے۔ اسلام نگر کراچی کے قبرستان سے بم ڈسپوزل سکواڈ نے ۹۰ ایم ایم رائفل کے ۲۷ ٹینک شکن میزائل اور ۱۰۵ ایم ایم کے ۹ ہیٹ میزائل برآمد کئے۔ اس ایڈیٹوریل کے مطابق کراچی میں ناجائز اسلحہ کی ناقابلِ بیان اور ناقابلِ اندازہ حد تک فراوانی ہے۔

پاکستان ٹیلی ویژن حکومتِ پاکستان کی تحویل میں ہے اور اس اعتبار سے یہ ایک سرکاری ادارہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ نیشنل نیوز اور قومی رابطے کے پروگراموں کے ذریعہ سے آئے دِن انتہائی مہلک اور جدید ترین خود کار اسلحہ پکڑتے ہوئے دکھایا جاتا ہے —— ہیروئین اور نشے کے دیگر انبار قبضے میں لئے جاتے ہیں —— بینک ڈکیتی اب روزمرّہ کا معمول بن گئی ہے اور پولیس کا رویّہ اس قدر ناگفتہ بہ ہو گیا ہے کہ اس کی مثال پہلے کبھی سننے اور دیکھنے میں نہیں آئی —— ایک خاتون وفاقی وزیر بنفسِ نفیس تھانے گئیں اور چوری کی F.I.R درج کرانی چاہی لیکن S.H.O نے الف۔ آئی۔ آر درج کرنے سے

نہ صرف انکار کر دیا بلکہ انہیں تھانے سے چلے جانے کا مشورہ بھی دیا۔

ملک کی سیاسی صورتِ حال بھی بگاڑ کے نقطۂ عروج تک پہنچ گئی ہے۔ سندھ جل رہا ہے، بلوچستان سلگ رہا ہے، پنجاب تڑپ رہا ہے اور سرحد مچل رہا ہے ـــــ اپوزیشن اور حکومت کی محاذ آرائی کا عالم یہ ہے کہ دونوں طرف شاید ہی کوئی ایسا لیڈر ہو، جس پر غداری کا الزام نہ لگ چکا ہو حتیٰ کہ ملک کی وزیرِ اعظم کی حبُّ الوطنی کو بھی شک کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے اور یہ الزام کسی ایرے غیرے نے نہیں ایک بڑے صوبے کے وزیرِ اعلیٰ کی طرف سے کھلے عام جلسے میں لگایا گیا ہے۔

عوام ـــــ جو کبھی آمریت اور کبھی جمہوریت کی پناہوں میں عافیت ڈھونڈتے ہیں، اس درجہ مایوسی کا شکار ہونے لگے ہیں کہ (خاکم بدہن) ملک ٹوٹنے یا باقی ہی نہ رہنے کی باتیں کرنے لگے ہیں۔ کوئی غیر ملکی تسلط کی باتیں کر رہا ہے۔ کوئی مارشل لاء کی پیش گوئی کر رہا ہے اور کوئی قیامِ پاکستان کو ہی کوس رہا ہے۔

سکھر ایئرپورٹ پر جیئے سندھ اور سندھو دیش کی تحریک کے بانی جی ایم سیّد کی آمد پر جس طرح پاکستان کے قومی پرچم کی تذلیل کی گئی، اسے پھاڑ اگیا، پاؤں تلے مسلا گیا اور پھر کھلے عام ہجوم میں جلایا گیا اور ساتھ ساتھ پاکستان کے خلاف خود اہلِ پاکستان نے نعرے لگائے، اس پر ہر محبِ وطنِ پاکستان کا دِل خوں فشاں اور جگر خونچکاں ہے۔

یہ سب کیا ہے؟ اور کیوں ہے؟ ہم کس منزل کی طرف بڑھ رہے ہیں؟ ہم نے بیالیس سال میں کئی تجربے کئے۔ گورنر راج دیکھا۔ صدارتی حکومت دیکھی۔ مارشل لاء دیکھا۔ آمریت دیکھی۔ جمہوریت دیکھی نہ چین وہاں ملا نہ سکون یہاں دیکھا۔ سب کی بات سنی۔ سب کا کہا مانا۔ سب ہی ذائقے چکھے اور جہاں تھے وہیں کھڑے نظر آئے بلکہ لحظہ بہ لحظہ مراجعت ہی دیکھی۔ ذلّت اور پستی ہی دیکھی۔ جدھر نگاہ اٹھی دُکھ ہی دُکھ پایا۔

کیا اس سے نجات ممکن ہے؟ کیا کبھی نظریں وہ تعبیر دیکھ سکتی ہیں، جس کا خواب حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے دیکھا تھا اور جسے عملی جامہ حضرت قائدِ اعظمؒ نے پہنایا ـــــ؟ اس کا ایک حل تو یہ ہے کہ ملک اور ملّت کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دیا جائے اور جو کچھ ہو رہا ہے اسے اللہ کی مرضی سمجھ لیا جائے۔

دوسری طرف ہماری مذہبی پیشوائیت کے وہ تجربے ہیں جو اصلاحِ احوال کے لئے سیاسی قلابازیوں کے ساتھ چالیس بیالیس سال کے عرصہ میں اس ملک میں دہرائے جاتے رہے ہیں۔ ان میں اسلامی شریعت، اسلامی نظام، اقامتِ دین، حکومتِ الٰہیہ، نظامِ مصطفیٰ اور نفاذِ شریعت کی تحریکیں خاص

طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ ان دنوں ایک نئی تحریک "اسلامی انقلاب" کے نام سے متعارف کرائی جارہی ہے۔ اس تحریک کے علمبردار طاہرالقادری صاحب ہیں جو پروفیسر اور ڈاکٹر ہونے کے ساتھ ساتھ قرآنی بصیرت کا بھی دعویٰ رکھتے ہیں۔ اور اس قرآنی بصیرت کا ثبوت حال ہی میں انہوں نے اس طرح دیا ہے کہ اتحادِ ملّت کی خاطر دیگر مذہبی اور سیاسی جماعتوں سے اس بنیاد پر اشتراک واتحاد فرمایا ہے کہ قرآن اور سنّت کی تعبیر ہر فرقے کے اپنے عقیدے کے مطابق ہوگی۔

بات شریعت کی ہو یا شریعت بل کی، انسانی سوچ کا دھارا، نہ مفاد پرستیوں سے بلند ہو پایا ہے، نہ فرقہ بندیوں سے ماوراء ہو سکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اب تک اسلام کے نام پر چلائی جانے والی کوئی بھی تحریک کامیابی کا چہرہ نہیں دیکھ پائی ہے اور ہم یقین سے کہہ سکتے ہیں کہ آئندہ بھی اس بنیاد پر قائم ہونے والی کوئی بھی تحریک انسان اور عوامی مسائل کا مستقل حل کبھی پیش نہیں کر سکے گی۔

"طلوعِ اسلام" کا مؤقف یہ ہے کہ لاریب اسلام میں حاکمیت صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی ہے اور جب حاکمیت اللہ تعالےٰ کی ہے تو حکومت بھی اللہ کے قوانین، یعنی قرآنِ کریم کی ہوگی، انسانی قوانین کی نہیں ہو سکتی۔ خواہ وہ قوانین آمرانہ ہوں۔ بادشاہی ہوں، صدارتی ہوں، پارلیمانی ہوں، جمہوری ہوں یا کسی بھی نوعیت کے کیوں نہ ہوں۔ وہ قطعاً غیر قرآنی، غیر اسلامی ہوں گے۔ اور اللہ کے قانون کے مقابلے میں ان کی اطاعت شرک ہوگی۔

اس مؤقف کے اعادہ کے بعد ہم ملّتِ پاکستان سے پھر یہ کہنا چاہیں گے کہ موجودہ صورتِ حال کتنی ہی مایوس کن سہی، لیکن امید کی کرن ہنوز باقی ہے، ابھی مہلت کا وقت ختم نہیں ہوا ہے۔ اگر ہم اب بھی قرآنی اقدار کی طرف لوٹ آئے تو دنیا اور آخرت دونوں کو سنوار سکتے ہیں۔ علامہ پرویزؒ صاحب کے الفاظ میں:-

> "کرنے کا کام یہ ہے کہ یہاں کے نظامِ معاشرہ کو قرآنی اقدار کے تابع لے آیا جائے اس سے نہ صرف یہ کہ یہ مملکت ہر قسم کے خطرے سے محفوظ ہو جائے گی بلکہ عزّت و ثروت کے اس مقامِ بلند پر پہنچ جائے گی، جہاں سے انسان اپنے مقدّر کے ستارے جھک کر دیکھا کرتا ہے، لیکن ان سے اعراض برتا گیا تو ہماری تباہی یقینی ہے۔ یہی خدا کی سنّتِ مستمرہ ہے وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا۔ اور سنّتُ اللہ کبھی بدلا نہیں کرتی۔"
>
> (علامہ پرویزؒ، پمفلٹ قومیں کیوں تباہ ہوتی ہیں)

اعزاز الدین احمد خاں

ہمارا مقصدِ حیات کیا ہے؟ (ایک گوشہ)

سوال یہ ہے کہ قرآن حکیم نے مسلمانوں کا مقصدِ حیات کیا بتایا ہے جسے ان کا ایمان کہا جائے گا؟

قرآن کی رو سے مقصد

غالباً یہ ستمبر ۱۹۸۹ء کے آخری جمعہ کی بات ہے، درسِ قرآن حکیم کے دوران، میرے ساتھ والی کرسی پر ایک نوجوان آکر بیٹھا۔ جب درس ختم ہوا تو وہ میری طرف متوجہ ہوا اور پوچھا کہ:

"کیا میں درس سننے کے لئے باقاعدگی سے آتا ہوں"

"اتنی باقاعدگی سے تو نہیں جتنا کہ مجھے آنا چاہیئے" میں نے جواب دیا "لیکن آپ پوچھیئے کیا پوچھنا چاہتے ہیں"۔

کچھ توقّف کے بعد وہ بولا:۔

"میں دو ایک سوال پوچھنا چاہتا ہوں"

"ہاں پوچھیئے! اگر میں جواب نہ دے سکا تو آپ کا تعارف کسی ایسے بھائی سے کرا دوں گا جو آپ کو مطمئن کرنے کی پوری کوشش کریں گے۔

نوجوان خاموش ہو گیا۔ مجھے ایسا لگا جیسے وہ سوال پوچھنے سے ہچکچا رہا ہو۔ اسکی خاموشی کو دیکھتے ہوئے میرے ذہن میں وہ چینی کہاوت گھومنے لگی جس کا مفہوم کچھ یوں ہے:۔ جو شخص سوال پوچھتا ہے چاہے تھوڑی دیر کے لئے لوگ اس کی لاعلمی پر ہنس ہی کیوں نہ لیں وہ اپنے علم میں اضافہ ضرور کر لیتا ہے، لیکن جو شخص سوال اس لئے نہیں پوچھتا کہ لوگ اس پر ہنسیں گے، وہ تمام عمر بے وقوف رہتا ہے۔ تاہم مجھے اس نوجوان کو چینی کہاوت بتانے کی ضرورت پڑی۔ کچھ دیر کے بعد وہ بولا

"میرا پہلا سوال تو یہ ہے کہ ہمارا مقصدِ حیات کیا ہے؟"

"اور دوسرا" میں نے پوچھا۔

"دوسرا سوال یہ ہے کہ قرآن نے جن معنی میں لفظ "شراب" کو استعمال کیا ہے اور جسے ہم "شراب" کہتے ہیں، ان دونوں میں فرق کیا ہے؟"

سوال سُن کر مجھے خوشی اس بات پر ہوئی کہ ہمارے نوجوان زندگی کا مقصد اور اس کے مسائل کے بارے میں سوچ ہی نہیں رہے۔ بلکہ ان کا حل قرآنِ حکیم کی روشنی میں تلاش بھی کر رہے ہیں۔ قرآن میں غور و فکر کرنے کا یہی صحیح طریقہ ہے اور یہی صحیح روشِ زندگی ہے۔

جواب میں، میں نے کہا "پہلے ہم آپ کے دوسرے سوال کو لیتے ہیں۔ عربی میں "شراب" کا مادہ ش۔ ر۔ ب ہے شَرِبَ اور یَشْرَبُ کے معنی ہیں، پلینا، سیراب ہونا۔ الشَّرَابُ۔ ہر وہ پینے کی چیز جسے چبانا نہ پڑے (۲/۲۵۹) شرابٌ (۲۶/۱۵۵) یعنی پانی۔ وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَھُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِیْمٍ (۱۰/۴) جنہوں نے کفر اختیار کیا وہ کھولتا ہوا پانی پئیں گے۔ لیکن اردو میں "شراب" اس (LIQUID) پانی کو کہتے ہیں جو نشہ پیدا کرے۔ قرآن کریم میں نشہ آور چیز کے لئے "خمر" کا لفظ آیا ہے۔ خَمْرٌ کے معنی ہیں کسی چیز کو چھپا دینا یا ڈھانپ دینا۔ اَلْخَمْرُ ہر اس نشہ آور چیز کو کہتے ہیں جو عقل میں فتور پیدا کر دے۔ یعنی جو عقل کو ڈھانپ دے۔ قرآنِ حکیم نے خَمْرٌ اور مَیْسِرٌ یعنی نشہ آور اشیاء اور میسر یعنی آسانی سے ہاتھ آئی ہوئی دولت، ایسی دولت جس کے لئے محنت نہ کی گئی ہو، کو رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ، قرار دے کر اس سے باز رہنے کی تاکید کر دی ہے (۵/۹۰) (رجسٌ کے معنی ہیں ایسی گندگی جو چپک جائے یعنی ایسے کام جن سے انسانی شرف کے نشوونما میں خلل اور رکاوٹ پیدا ہوئے۔)

دورانِ گفتگو معلوم ہوا کہ یہ نوجوان پاکستان نیوی میں سب لفٹیننٹ ہے اور کراچی میں بحریہ کے انجنیئرنگ شعبہ سے منسلک ہے۔ اس نے بتایا کہ وہ قرآنِ حکیم کا مطالعہ کرتا رہتا ہے لیکن ابھی تک وہ "مقصدِ حیات" کی گتھی نہیں سلجھا سکا۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا کبھی اس نے سورۃ التوبہ کی آیات ۳۲ اور ۳۳ پر غور و فکر کیا ہے؟ جب اس نے نفی میں سر ہلایا تو میں نے اسے مشورہ دیا کہ وہ ان آیاتِ مبارکہ کا بغور مطالعہ کرے، ان میں کہی گئی بات پر تدبّر اور تفکّر کرے، اسے اپنے پہلے سوال یعنی "مقصدِ حیات کیا ہے" کا جواب مل جائے گا۔ اس نے میری طرف کچھ اس انداز سے دیکھا جیسے کہہ رہا ہو "یہ کیسے؟"

میں نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ جب وہ ان آیات (۹/۳۲-۳۳) اور ان دیگر مقامات جہاں یہ آیات دہرائی گئی ہیں، پر غور و فکر کرے گا، تو اس کے سامنے نزولِ قرآن اور بعثتِ رسولؐ کا مقصد آجائے گا۔ اور یہ سمجھنے کے لئے کوئی فلاسفر ہونے کی ضرورت نہیں کہ رسولؐ اللہ کی بعثت کا مقصد ہی "محمد رسول اللہ والذین معہ" کا مقصدِ حیات تھا، جس کے حصول کے لئے انہوں نے زندگی بھر جدّوجہد کی اور آخر کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

حضورؐ نبی اکرم کی طرف نازل کردہ دین، ضابطۂ حیات۔ چونکہ مکمل، غیر متبدل، محفوظ اور تمام نوعِ انسان کے لئے قیامت تک نظامِ خداوندی کا منشور تھا، اس لئے حضورؐ کے بعد کسی اور رسول کے آنے کی ضرورت نہیں رہی۔ رسول اللہ کے مقصدِ حیات کو اب آگے لے کر چلنا ان کے امتیوں کی ذمہ داری ہے۔ یعنی ہماری اور ہمارے بعد میں آنے والوں کی۔ دوسرے الفاظ میں بعثتِ رسولؐ یا نزولِ قرآن کے مقصد کا حصول اب ہمارا مقصدِ حیات ہے۔ مجھے ایسا لگا کہ جیسے میری بات اس نوجوان کے دل میں اتر گئی ہو۔ رخصت ہوتے وقت میں نے اس نوجوان کو تاکید کی کہ آیت $\frac{9}{33}$ کا گہرائی سے مطالعہ کرے تاکہ بعثتِ رسول اور نزولِ قرآن کا مقصد نکھر کر سامنے آجائے۔

آئیے! ہم بھی اُس نوجوان کے ساتھ اس مسئلے پر تدبر کریں، تاکہ نزولِ قرآن اور بعثتِ رسولؐ کا مقصد سمجھ میں آجائے۔

نزولِ قرآن / بعثتِ رسولؐ کا مقصد

نبی اکرمؐ کی دعوت کی مخالفت مشرکینِ عرب کی طرف سے بھی ہوئی تھی اور اہلِ کتاب (یہود و نصاریٰ) کی طرف سے بھی۔ یہ مخالفت کس بات کی تھی؟ یہ لوگ انسانوں کے وضع کردہ قوانین وضوابط یا رسوم و مناسک کا اتباع کرتے تھے۔ اور قرآن کی دعوت یہ تھی کہ اتباع و اطاعت صرف قوانینِ خداوندی کی ہوسکتی ہے، غیر اللہ کی نہیں۔ قرآن نے ان لوگوں کی مخالفت کے بارے میں سورۃ التوبہ کی آیت ۳۲ میں کہا:

> یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اللہ کے اس نور (قرآن) کو، جو انہیں تاریکیوں سے نکالنے کیلئے آیا ہے، پھونکیں مار مار کر بجھا دیں۔ لیکن ان کی ان باتوں سے کیا ہوتا ہے؟ اللہ اپنے نور کو مکمل کرکے رہے گا (یعنی اللہ اپنے دین کو انسانوں کے تمام خود ساختہ دینوں یعنی نظام ہائے زندگی پر غالب کرے گا) خواہ یہ بات ان مخالف لوگوں کو کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے۔" ($\frac{9}{32}$)

نور اللہ سے مراد اللہ کی راہنمائی ہے۔ قرآن کریم نے متعدد مقامات پر وحیِ خداوندی کو نور سے تشبیہ دی ہے ($\frac{4}{175}$، $\frac{5}{15}$، $\frac{6}{157}$)، اور جہاں یہ "نور" نہیں اسے ظلمات (تاریکیاں) کہہ کر پکارا ہے۔ آیت زیرِ نظر میں کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اس چراغ کو پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔ لیکن ان کی یہ سعیٔ لاحاصل کارگر نہیں ہوسکے گی۔ قرآن کی تاریخ اس حقیقت کی شاہد ہے کہ چودہ سو سال کے عرصے میں مخالفت کی کس قدر آندھیاں اٹھیں۔ کس قدر جھکڑ چلے، لیکن قرآن کے کسی ایک حرف کو مٹانا تو طرف، اسے اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ سکے۔ ایسا اس لئے نہیں کرسکے کہ قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لے رکھا ہے (...)

اسے محفوظ رکھنے کا مقصد سورۃ التوبہ کی آیت ۳۳ میں بیان کیا گیا ہے۔ جہاں فرمایا:-

هُوَ الَّذِيٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۙ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ۝ ($\frac{9}{33}$)

"اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسولؐ کو ضابطۂ حیات دے کر بھیجا ہے. یعنی اس نظام زندگی کو دے کر جو یکسر حقیقت پر مبنی ہے تاکہ یہ نظام دنیا کے باطل نظاموں پر غالب آئے، خواہ یہ بات ان لوگوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گذرے جو ایک اللہ کے قوانین کی اطاعت کی بجائے مختلف خداؤں کے احکام کی اطاعت کرنا چاہتے ہیں۔"

سورۃ التوبہ کی اس آیت (۹/۳۳) کو سورۃ الفتح ۴۸ کی آیت ۲۸ میں دہرایا گیا ہے. باقی الفاظ تو وہی ہیں لیکن آخر میں وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُونَ" کی جگہ " وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا" آیا ہے ایسا لگتا ہے کہ آیت ۹/۳۳، سورۃ الفتح میں اس وقت دہرائی گئی تھی جب رسول اللہ مکہ میں فاتح و منصور داخل ہو رہے تھے یا فتح مکہ مکمل ہو گیا تھا. (۴۸/۲۷).

سورۃ الفتح کی آیت ۴۸/۲۸ کا مفہوم کچھ یوں ہے:۔

"اللہ نے اپنے رسولؐ کو یہ ضابطۂ ہدایت یعنی حق پر مبنی نظام دے کر بھیجا ہی اس لئے ہے کہ یہ دنیا کے تمام خودساختہ نظام ہائے زندگی پر غالب آکر رہے (اور یہ اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ اس جماعتِ مومنین کو اتنی قوت اور قدرت حاصل ہو کہ یہ باطل کا نظام مٹا کر اپنا نظام قائم کر سکے) اور اللہ اس بات کی نگرانی کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا۔"

سورۃ الصّف (۶۱) کی آیات ۸ اور ۹ میں سورۃ التوبہ کی آیات ۹/۳۲، ۳۳ اور سورۃ الفتح کی آیت ۴۸/۲۸ کو پھر دہرایا گیا ہے۔ اہل کتاب اور مشرکین سے کہا جا رہا ہے:۔

"تم سمجھتے ہو کہ تم اپنی ان حرکتوں سے، اس قندیلِ آسمانی (قرآن) کی روشنی کو بجھا دو گے؟ تم اپنے اس ارادے میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکو گے (ذرا سوچو کہ کسی کے پھونکیں مارنے سے سورج کا چراغ بھی گل ہو سکتا ہے) اللہ اپنے اس نور کو مکمل کر کے ہر طرف پھیلا کر چھوڑے گا، خواہ یہ بات کفار پر کتنی ہی گراں کیوں نہ گزرے۔" (۶۱/۸، ۹/۳۲)

اللہ نے اپنے رسولؐ کو یہ ضابطۂ حیات، یعنی دینِ حق دے کر بھیجا ہی اس لئے ہے. تاکہ وہ اللہ کے پسندیدہ (انسانوں کے لئے) نظامِ زندگی کو دوسرے تمام نظامہائے عالم پر غالب کر کے دکھا دے خواہ یہ بات ان لوگوں کو کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے جو اللہ کے ساتھ اوروں کو بھی شریکِ حکومت کرنا چاہتے ہیں۔" (۶۱/۹)

قرآنی نظام غالب آکر رہے گا

یہ آیات ۹/۳۲-۳۳، ۴۸/۲۸، ۶۱/۸-۹ اپنے مفہوم کے اعتبار سے بڑی اہم ہیں. ان میں کہا یہ گیا ہے کہ بعثتِ نبی اکرمؐ اور نزولِ قرآن سے مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوعِ انسان کے لئے جو نظامِ زندگی (الدین) متعین کیا ہے، وہ انسانوں کے تمام خودساختہ نظامہائے حیات پر غالب آجائے. یعنی انسان صرف اور صرف اللہ کے نازل کردہ

نظام کے تابع زندگی بسر کرے۔ اور اس طرح ہر قسم کی غلامی سے نجات پائے۔ یاد رہے جس طرح کائنات میں ہر شے کے لئے قوانینِ خداوندی مقرر ہیں۔ اسی طرح انسانی زندگی کے لئے بھی قوانین عطا کئے گئے ہیں۔ اس ضابطہ قوانین کو الدین کہا جاتا ہے۔ اور وہ طریقہ جس کے مطابق انسان اس ضابطہ زندگی کو عملاً اختیار کرتا ہے، الاسلام کہلاتا ہے۔ اور اس طریق کو اختیار کرنے والوں کو مسلم کہا جاتا ہے۔ چونکہ وہ قوانینِ خداوندی جن کے مطابق انسانوں کا چلنا مقصود ہے اب اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآنِ حکیم کے اندر محفوظ ہیں، اس لئے اب الاسلام کے معنی ہیں قرآنی قوانین و احکام و اصول کے مطابق عملاً زندگی بسر کرنا۔ ان قرآنی قوانین اور احکام پر انفرادی طور پر عمل پیرا نہیں ہوا جاسکتا۔ اجتماعی طور پر ہی ہوا جاسکتا ہے۔ یعنی ایک نظامِ حیات کے تابع جسے الاسلام کہہ کر پکارا گیا ہے۔ قرآن کا دعویٰ ہے کہ یہ نظامِ حیات یعنی اسلام، دنیا کے ہر نظام پر غالب آئے گا۔

یہ جو ہم آئے دن اہلِ مذاہب کے ساتھ مناظروں اور مباحثوں سے، ان کے مذاہب کے مقابلہ میں اسلام کی افضلیت ثابت کرتے ہیں۔ یہ اصولی طور پر بے معنی ہے کیونکہ اسلام، دین ہے، مذہب نہیں۔ جب اسلام مذہب ہے ہی نہیں، تو اس کا مذاہب کے ساتھ مقابلہ کیا۔ اسلام ایک نظامِ حیات ہے۔ اس کا دنیا کے نظام ہائے حیات کے ساتھ مقابلہ کرنا چاہیئے۔ مثلاً شہنشاہی نظامِ حکومت، آمریت، مغربی جمہوریت، سیکولرازم، نیشنلزم، انٹرنیشنلزم، نظامِ سرمایہ داری، سوشلزم اور کمیونزم وغیرہ کے ساتھ مقابلہ۔ قرآن نے جب کہا ہے کہ یہ تمام غیر خدائی نظامہائے حیات پر غالب آجائے گا تو اس سے یہی مراد ہے۔ مذاہب نے تو اپنی موت آپ مرجانا ہے۔ اس کے مذاہب پر غالب آنے کے معنی کیا؟

اس سے واضح ہے کہ اسلام ایک عظیم انقلابی پروگرام کا نام ہے جس کا مقصد خدا کے متعین کردہ نظام کو تمام نظامہائے عالم پر غالب کرنا ہے۔ جو شخص اس نصب العین کو اپنی زندگی کا مقصد و منتہیٰ قرار دے لیتا ہے۔ اسے مسلم یا مومن کہا جاتا ہے۔ سوال اٹھتا ہے کہ اسلام کو انسانوں کے خود ساختہ نظاموں پر غالب کیسے کیا جائیگا؟ ظاہر ہے کہ اللہ کے تجویز کردہ نظامِ حیات، اسلام کو پہلے اپنے معاشرے میں "غالب" کرنا ہوگا، یعنی نافذ کرنا ہوگا۔ ہمیں پہلے خود قرآنی قوانین و احکام و اصول کے مطابق عملاً زندگی بسر کرنا ہوگی تاکہ دنیا دیکھ لے کہ یہی وہ دین ہے یہی وہ نظامِ حیات ہے، جو انسانی زندگی کے تمام مسائل کا حل اپنے اندر رکھتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں ہمیں ایک ایسا قرآنی معاشرہ قائم کرنا ہوگا جیسا کہ رسول اللہ اور "والذین معہ" کے زمانے میں قائم ہوا تھا۔

عہدِ نبی اکرمؐ میں یہ نظام کس طرح متشکل ہوا ہے۔ اسے قرآنِ حکیم کی سورۃ فتح کی آیات ($\frac{48}{28-29}$) میں بڑے دلکش انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ آیت ($\frac{48}{28}$) تو وہی ہے جس میں کہا گیا ہے کہ اللہ نے اپنے رسولؐ کو ضابطہ ہدایت یعنی حق پر مبنی نظام دے کر بھیجا ہی اس لئے ہے کہ یہ دنیا کے تمام خود ساختہ نظام ہائے زندگی پر غالب آکر رہیگا۔"

آیت ۴۸/۲۹ میں کہا گیا ہے۔ کہ اللہ کا دین غالب ہوگا۔ محمد رسول اللہ اور اس کے رفقائے کار کی جماعت کے ہاتھوں سے، یعنی جماعت مومنین کے ہاتھوں۔ یہ جماعت بھی کیا عجیب و غریب جماعت ہے! ان کی کیفیت یہ ہے کہ یہ حق کے مخالفین کے مقابلہ میں چٹان کی طرح سخت ہیں، لیکن آپس میں بڑے ہی نرم دل اور ہمدرد۔ تو انہیں دیکھتا ہے کہ وہ کس طرح ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھانے کے لئے جھک جاتے ہیں۔ اور قوانین خداوندی کے سامنے پیکر تسلیم و رضا بن جاتے ہیں۔ (لیکن یہ تارک الدنیا راہبوں کی جماعت نہیں) یہ قانون خداوندی کے مطابق سامان زیست کی تلاش میں مصروف رہتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ اس کی بھی کوشش کرتے ہیں کہ ان کا ہر عمل قانون خداوندی سے ہم آہنگ اور ان کی سیرت صفات خداوندی سے یک رنگ ہو جائے۔ اس سے انہیں جو سکون قلب اور حقیقی مسرت حاصل ہوتی ہے، اس کے اثرات ان کے چہروں سے نمایاں نظر آتے ہیں۔ ان کی یہ علامات، سابقہ کتب آسمانی، تورات و انجیل میں بھی مذکور ہیں۔

"انہوں نے اس نظام خداوندی کو جس طرح قائم کیا ہے اور پروان چڑھایا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھو کہ جب عمدہ بیج سے شگوفہ پھوٹتا ہے تو اس کی پہلی کونپل بڑی نرم و نازک ہوتی ہے۔ پھر جوں جوں اس کی جڑ مضبوط ہوتی جاتی ہے اس کی نال موٹی ہوتی جاتی ہے۔ حتیٰ کہ وہ اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ وہ اپنے سہارے آپ محکم اور استوار طریق پر قائم ہو جاتی ہے (اس میں خوشے لگتے ہیں اور خوشوں میں دانے پڑ کر سخت اور مضبوط ہو جاتے ہیں۔ یوں وہ ننھا سا بیج، پکی ہوئی فصل میں تبدیل ہو جاتا ہے۔) جب کاشتکار اپنی محنت کو اس طرح ثمر بار ہوتے دیکھتا ہے تو وجد و مسرت سے جھوم اٹھتا ہے۔ لیکن یہی چیز اس کے مخالفین کے سینے پر سانپ بن کر لوٹنے لگ جاتی ہے۔"

"اس طرح اللہ ہر اس جماعت کو جو اس کے قوانین کی صداقت پر ایمان لا کر، اس کے بتائے ہوئے پروگرام پر عمل پیرا ہوتی ہے، اس امر کا وعدہ دیتا ہے (یعنی یہ اس کا قانون ہے) کہ ان کی کوششوں کا ننھا سا بیج، تمام خطرات سے محفوظ رہے گا، اور ان کی کھیتی پک کر بہترین ثمرات کی حامل ہو جائے گی۔ لیکن اس کے لئے اس قسم کی محنت اور استقامت کی ضرورت ہوگی، جس قسم کی محنت اور استقامت کا ثبوت کسان دیتا ہے — تخم صالح قوانین فطرت سے مطابقت، مسلسل محنت اور استقلال و استقامت، اچھے نتائج کے لئے نہایت ضروری ہے۔"

(مفہوم القرآن ص ۹)

ان آیات (۴۸/۲۸-۲۹) پر غور کرنے سے یہ بات واضح طور پر سامنے آجاتی ہے کہ محمد رسول اللہ والذین معہ نے بعثت رسول کے مقصد کو اپنا مقصد حیات بنا کر اس کے حصول کے لئے سخت جدوجہد کی۔ اور تھوڑے ہی عرصہ میں، اپنے یقین محکم اور عمل پیہم سے دین الحق کے نظام کو اس وقت کے نظام ہائے زندگی پر غالب کر کے دکھا دیا جیسا کہ ہم جانتے ہیں۔ اس زمانے میں ایران اور رومۃ الکبریٰ کے نظام ہی دنیا میں سربلند اور غالب نظام تھے۔ قرآنی

نظام نے ان دونوں نظاموں کو شکست دے کر اپنے نظام کو غالب کر کے رکھ دیا۔ یاد رہے کہ صدرِ اوّل کی فتوحات، علاقوں اور ملکوں کی فتوحات نہیں تھیں۔ وہ انسانوں کے وضع کردہ نظاموں پر نظامِ خداوندی کی فتح تھی۔ وہ لِیُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّیْنِ كُلِّهٖ کا عملی مظاہرہ تھا۔

عہدِ رسالت مآبؐ اور خلفائے راشدین کے دَور میں علاقوں اور ملکوں کی فتوحات سے یہ نتیجہ اخذ کرنا صحیح نہیں ہوگا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا تھا۔ اسلام تو امن اور سلامتی کا دین ہے۔ اس کے اختیار کرلے والوں کو مسلم یا مومن کہا اس لئے جاتا ہے کہ وہ دنیا میں امن قائم کرنے کا ذمہ وار۔ امن قائم رکھنے کے لئے ایک شرط یہ ہے کہ یہ جماعتِ مومنین خود امن سے رہے اور دوسروں کے امن میں خلل انداز نہ ہو۔ لیکن جب قوت کے نشہ میں بدمست قومیں دنیا کے امن میں خلل انداز ہوں اور فساد برپا کرنے پر آمادہ، تو انہیں اس سے روکنا بھی تو ضروری ہوگا۔ اس کے لئے پہلے انہیں سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی لیکن جب یہ تمام تدبیریں ناکام رہ جائیں اور وہ قوت کے سوا کوئی زبان ہی نہ سمجھیں، تو پھر ان کے مقابلہ کے لئے قوت کا استعمال ناگزیر ہو جائیگا۔ یہ وہ مقام ہے جہاں، قرآنِ حکیم جماعتِ مومنین کو جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ دیکھئے: ۲/۱۹۰، ۴/۷۵، ۹/۳۶، ۲۲/۳۹-۴۰، ۴۱۔

دوسرے الفاظ میں اسلام میں جنگ، ظلم اور زیادتی کو روکنے کے لئے ہوگی، خواہ یہ ظلم اور زیادتی کہیں ہو رہی ہو۔ اور کسی کے خلاف بھی ہو رہی ہو۔ اس میں قوم، وطن، رنگ، نسل حتیٰ کہ مذہب کی بھی کوئی تمیز نہیں ہوگی۔ ظلم روکنے کے معنی یہ ہیں کہ اگر مستبد اور ظالم اقوام، کمزوروں اور ناتوانوں پر ظلم اور زیادتی کریں، تو جماعتِ مومنین کا فریضہ ہوگا کہ وہ ان مظلوموں کی مدد کو پہنچے۔ اسی کو جہاد کہتے ہیں۔ یہ سوال اکثر پوچھا جاتا ہے کہ اسلام میں جنگ مدافعانہ ہوگی یا محاربانہ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلام میں جنگ، ظلم اور زیادتی کو روکنے کے لئے ہوگی۔ یہ جنگ بنیادی حقوقِ انسانیت کے تحفظ کے لئے ہوگی۔ مثلاً محمد بن قاسمؒ کا سندھ پر حملے کا یہی مقصد تھا اس قسم کے حالات جب اور جہاں بھی پیدا ہوں، جماعتِ مومنین کو قرآنی راہنمائی کے تابع فیصلہ اور عمل کرنا ہوگا۔

اللہ کے دین کو غالب لانے کی ایک شکل تو ظلم اور زیادتی کے خلاف جنگ ہے۔ اس کے غالب آنے کی ایک اور شکل یہ ہے کہ جو قوم اس نظام (دین) کو اپنے ہاں متشکل کرے، اگر کسی دوسرے نظام کی حامل قوم اس نظام کو ناکام بنانے کے لئے اس سے متصادم ہو جائے، تو وہ کامیاب نہیں ہوگی۔ اللہ کے نظام کی حامل قوم، مخالف قوم پر غالب آئے گی، یہ اللہ کا وعدہ ہے۔

قرآنِ حکیم نے ان قوموں یا جماعتوں کو جن کے ہاتھوں نظامِ خداوندی کو غلبہ حاصل ہوگا کہیں اُمتِ مسلمہ، کہیں جماعتِ مومنین، اور کہیں حزب اللہ کہہ کر پکارا ہے۔ اَلَآ اِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (۵۸/۲۲)
"یہ اللہ کی پارٹی ہے جو یقیناً کامیاب ہوگی"۔ اور اس کی مخالف پارٹی جسے "حزب الشیطٰن" کہا گیا ہے، ناکام

رہے گی ۵۸/۱۹، دوسری جگہ انہیں "خدا کا لشکر" کہا ہے۔ اِنَّ جُنْدَنَا لَهُمُ الْغٰلِبُوْنَ (۳۷/۱۷۳) سورۃ النساء میں اور بھی واضح الفاظ میں کہہ دیا کہ: وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا (۴/۱۴۱) "یہ کبھی نہیں ہو گا کہ اللہ کفار کو مومنین پر غالب آجانے دے۔ سورۂ آلِ عمران میں کہا گیا ہے۔ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ (۳/۱۳۸) "تم مومن ہو تو سب پر غالب رہو گے۔ صدرِ اوّل میں جب جماعتِ مومنین نے اس نظام کو متشکل کیا تھا، تو یہ تمام دعاوی سچ ثابت ہو کر سامنے آ گئے تھے۔

آپ دیکھیں گے کہ ان تمام آیات میں جن میں جماعتِ مومنین کے غلبہ و تسلط اور برتری و افضلیت کا ذکر ہے ۱۰سے اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ " سے مشروط کیا گیا ہے۔ یعنی یہ صورت اس وقت تک باقی رہے گی، جب تک تم اس نظام کو باقی رکھو گے۔ اگر تم نے اس نظام کو چھوڑ کر اور فرقہ پرستی اور پارٹی بازی کو اپنا شعار بنا لیا تو تم دنیا کی باقی قوموں جیسی ایک قوم بن جاؤ گے جن کا بس نام "مسلمان" ہو گا۔ ایسا لگتا ہے جیسے ہماری بات ہو رہی ہو۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ ہم نے، " وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَّلَا تَفَرَّقُوْا " (۳/۱۰۲) کے قرآنی حکم کو پسِ پشت ڈال رکھا ہے۔ جس کی وجہ سے امت کی وحدت پارہ پارہ ہو گئی ہے۔ امت مذہبی فرقوں میں بٹی پڑی ہے، جس کو قرآن نے شرک کہا ہے۔ (۳۰/۳۱-۳۲) اور پارٹی بازی کو خدا کا عذاب (۶/۱۶۵)

اللہ کا دین تو ایک ہے کیونکہ اللہ ایک ہے۔ اس لئے دینِ اسلام میں تو فرقوں کا سوال ہی نہیں اٹھتا۔ فرقے تو مذہب ہی ہوتے ہیں۔ ہم بٹے ہوئے تو ہیں مذہبی فرقوں میں، لیکن اپنے اس دعوے پر زور و شور سے قائم ہیں کہ ہم "اہلِ ایمان" ہیں۔ اور اللہ کے ضابطۂ حیات (القرآن) کے ایک ایک لفظ پر ایمان رکھتے ہیں۔ خود فریبی اور خدا فریبی کا یہ سلسلہ صدیوں سے جاری ہے۔ اس فریبِ عظیم کی بنا پر اس امت کو جو بُرے دن دیکھنے پڑے ہیں ان کی تفاصیل سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ صدیوں سے یہ ایسی پستی اور خواری کا شکار چلی آ رہی ہے کہ اقوامِ عالم کی صف میں اسے کوئی قابلِ عزت مقام حاصل نہیں۔ مسلمان دنیا کے ہر گوشے میں دوسری قوموں کے محتاج ہیں اور ان کی قسمت کے فیصلے غیروں کے رحم و کرم پر موقوف ہیں۔ ایک طرف تو امت پر صدیوں سے یہ قیامت بیت رہی ہے۔ دوسری طرف ہمارے مذہبی پیشوا اسے برابر اس خود فریبی میں مبتلا رکھے چلے آ رہے ہیں کہ اس دنیا کی ذلت، جنتِ اُخروی کی ضمانت ہے۔ قرآن پر ایمان کی دلیل یہ قرار دی گئی کہ اس سے تعویذوں، ٹوٹکوں، وظیفوں اور استخاروں کا کام لیا جائے۔ اس پر غور و فکر کی قطعاً ضرورت نہیں بلکہ بلا سوچے اور سمجھے اس کی اندھا دھند تلاوت ہی حصولِ ثواب کا موجب ہے۔ اسی سے آخرت میں بیڑا پار ہو گا۔ یہ کرتے رہو اور اس کے بعد اس ضابطۂ حیات کو ریشمی لباسوں میں سجا کر گھروں میں لٹکائے رکھو یا کسی اونچی جگہ پر رکھ دو تاکہ اس کی طرف پیٹھ نہ ہو۔ اور ہم یہی کرتے چلے آئے ہیں اور کر رہے ہیں۔

جب تک ہم قرآنِ حکیم میں کھلے ذہن سے غور و فکر ہی نہیں کریں گے ہمیں کیسے پتا چلے گا کہ قرآن امتِ مسلمہ کا مقصدِ حیات کیا بتاتا ہے؟ قرآنِ حکیم تو امتِ مسلمہ کا مقصدِ حیات دنیا میں نظامِ خداوندی کا غالب کرنا بتاتا ہے لیکن مذہبی پیشوائیت نے اس مقصد کو امت کی نگاہوں سے اوجھل کر کے، ان کے سامنے انفرادی نجات کا عقیدہ رکھ دیا ہے کہ یہی اصل مقصدِ حیات ہے۔ اسے کہتے ہیں دین کو مذہب سے بدلنا۔

دین اور مذہب میں فرق

آگے بڑھنے سے پہلے یہ مناسب ہوگا کہ اگرچہ چند لفظوں میں یہ بتا دیا جائے کہ دین اور مذہب میں فرق کیا ہے۔ اسے یوں سمجھئے۔ "مذہب" اس راستے کو کہتے ہیں جو انسان کا وضع کردہ ہو اَلْمَذْهَبُ کے معنی ہیں۔ راستہ، طریقہ، وہ عقیدہ جس کی طرف کسی کا رجحان ہو۔ مذہب کے معنی مکتبِ فکر (سوچ کے مختلف طور طریق) نہیں بلکہ مختلف سبیل / چلنے کے مختلف راستے ہوتے ہیں۔ اور جب ایک امت مختلف راستے اختیار کرے گی تو اس میں تفرقہ خود بخود پیدا ہو جائیگا۔

قرآنِ حکیم میں مذہب کا لفظ کہیں نہیں آیا۔ اسلام کے لئے دین کا لفظ آیا ہے۔ ابتدائے اسلام میں صرف دین تھا۔ بعد میں جب مختلف ائمہ فکر و فقہ کی نسبتوں سے مختلف طریقے پیدا ہوئے۔ اللہ کے دین میں انسانی خیالات کی آمیزش ہوئی تو دین کی جگہ مذہب نے لے لی۔ مذہب ہی ہے جس میں مختلف فرقے ہوتے ہیں۔ دین میں فرقہ سازی کو شرک قرار دیا گیا ہے (۳۰/۳۲-۳۱) ہمارے ہاں رائج شدہ "اسلام" منزل من اللہ دین نہیں مذہب ہے کیونکہ ہماری مسلمان قوم مختلف مذہبی فرقوں میں بٹی ہوئی ہے۔ دین میں فرقے نہیں ہوتے۔ دین امت کو ایک سبیل پر چلاتا ہے۔

لفظ دین بہت سے معنوں میں استعمال ہوتا ہے ۔ غلبہ ۔ اقتدار ۔ حکومت ۔ مملکت ۔ آئین ۔ قانون ۔ نظم و نسق ۔ فیصلہ، جزا و سزا وغیرہ وغیرہ۔ قرآنِ حکیم نے لفظِ دین کو منجملہ اور معنوں کے، ضابطۂ حیات کے معنوں میں بھی استعمال کیا ہے۔ اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ (۳/۱۸) وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا ط (۵/۳) یہی الدّین ہے جسے دے کر نبی اکرمؐ کو بھیجا گیا تھا۔ هُوَ الَّذِىْٓ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهٖ ۔ وَلَوْ كَرِهَ الْكٰفِرُوْنَ (۹/۳۳، ۴۸/۲۸، ۶۱/۹) اللہ وہ ہے جس نے اپنے رسول کو ہدایت اور دینِ حق کے ساتھ بھیجا تاکہ وہ اس دین (نظامِ حیات) کو، دیگر تمام ادیان (نظام ہائے حیات) پر غالب کر دے خواہ مشرکین کو یہ چیز کتنی ہی ناگوار کیوں نہ گزرے۔" چونکہ "اسلام" ایک نظامِ حیات ہے اس لئے اس پر انفرادی طور پر عمل پیرا نہیں ہوا جا سکتا۔ اجتماعی طور پر ہی ہوا جا سکتا ہے۔ اس سے واضح ہے کہ دینِ اسلام پیرا اپنی آزاد مملکت کے بغیر عمل پیرا ہونا ناممکن ہے۔ مطالبۂ پاکستان کی یہی وجہ تھی۔ ہم نے پاکستان تو حاصل کر لیا ہے لیکن ابھی تک اللہ کے دینِ اسلام کو اس میں نافذ نہیں کر سکے ہیں۔ اس کے لئے ہمیں سب سے پہلے "لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ

کُلِّہٖ" کا عملی مظاہرہ اپنے گھر سے کرنا ہوگا۔ مذہبی پیشوائیت (علماء و مشائخ) کا جال ہم پر گیرائی اور اس مضبوطی سے پھیلا ہُوا ہے کہ ہم جب تک اس کے پھندے سے نکل نہ جائیں، اسلام ہمارے ہاں قدم نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے حصولِ مقصد کے لئے پہلے ہمیں اپنے مرّوجہ مذہب کو دین میں بدلنا ہوگا۔

تجدیدِ مقصد

سابقہ اقوام جب اس سطح پر اتر آتی تھیں، جس پر آج کل ہم ہیں، تو ان کی طرف اللہ کا ایک اور رسول آجاتا تھا جو اللہ کا دین اُن کے سامنے پھر سے رکھ دیتا اور اس طرح مذہب کو پھر سے دین میں بدل دیتا تھا۔ لیکن حضور نبی اکرم کی طرف نازل کردہ ضابطۂ حیات چونکہ مکمل، غیر متبدل، محفوظ اور تمام نوعِ انسان کے لئے قیامت تک نظامِ خداوندی کا منشور ہے۔ اس لئے حضورؐ کے بعد کسی مامور من اللہ کے آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ($\frac{6}{112}$)۔ اب لِیُظۡہِرَہٗ عَلَی الدِّیۡنِ کُلِّہٖ لہٰذا دینِ خداوندی کو نظام ہائے عالم پر غالب کرنے کا مقصد، رسول اللہ کے امتیوں ہی کو حاصل کرنا ہے۔ اگرچہ اسلام کو ہم نے دانستہ یا نادانستہ مذہب میں تبدیل کر دیا ہے۔ لیکن اس میں اور مذاہبِ عالم میں ایک بنیادی فرق ہے ـــ وہ فرق یہ ہے کہ دینِ اسلام کا ضابطۂ قوانین۔ قرآنِ حکیم اپنی اصلی اور غیر محرّف شکل میں انسان کے پاس محفوظ ہے۔ لہٰذا ہم جب چاہیں اس مرّوجہ مذہب کو پھر سے دین میں تبدیل کر سکتے ہیں۔ ہمارے کرنے کا کام یہ ہوگا کہ ہم قرآن کے متعیّن کردہ مقصد، دینِ خداوندی کو نظام ہائے عالم پر غالب کرنے کا مقصد از سرِنو اپنے سامنے رکھ لیں۔ سمجھنے کے لئے اسے "تجدیدِ مقصد" کہہ لیجئے۔

دوسرے الفاظ میں نزولِ قرآن یا بعثتِ رسول کا مقصد کا حصول اب ہمارا مقصدِ حیات ہے۔ جیسا کہ یہ پہلے محمد رسول اللہؐ والذین معہٗ ($\frac{48}{29}$) کا تھا۔ اس مقصد کی صداقت پر یقین ہمارا ایمان کہلائے گا۔ ہماری زندگی کا مقصد کہلائے گا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے جس قدر جدوجہد کی جائے گی۔ قرآنِ حکیم اسے "اعمالِ صالحہ" سے تعبیر کرتا ہے۔

واضح رہے کہ قرآنِ حکیم نے "اعمالِ صالحہ" کی کوئی جامع اور مانع فہرست مرتب کر کے نہیں دی ہے۔ اعمالِ صالحہ سے اس کی مراد ایسے تمام کام ہیں جو زمانے کے تقاضوں کے مطابق تعمیری نتائج پیدا کریں اور وہ قرآنی اصولوں سے متصادم نہ ہوں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن کی ساری تعلیم انہی دو اصطلاحات میں سمٹ کر آجاتی ہے یعنی اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ۔ قرآنی مقصد کو اپنی زندگی کا مقصد قرار دینا اور پھر اس کے حصول کے لئے جدوجہد کرنا۔

قرآنِ حکیم میں آپ شروع سے اخیر تک دیکھیں گے کہ اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا کے ساتھ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ آیا ہے۔ یعنی قوانینِ خداوندی کی صداقت پر یقین رکھنا اور اس کے ساتھ ہی صلاحیت بخش کام کرنا۔ اس سے واضح ہے کہ ایمان اور عمل لازم و ملزوم ہیں۔ نیز اعمال وہی صالح ہیں جنہیں قرآنِ حکیم صالح قرار دے (یعنی جو قرآنی اصولوں

سے نہ ٹکرائیں) نہ کر وہ جنہیں ہم اپنی دانست میں اعمال صالح سمجھیں۔ ان اعمال کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ فرد کی صلاحیتیں بیدار ہو جاتی ہیں اور نوعِ انسانی کے معاملات سنور جاتے ہیں۔

اگر بات سمجھ میں نہ آئی ہو تو اسے یوں سمجھیں کہ قرآن حکیم کا مقصود یہ ہے کہ انسان صرف اور صرف قوانینِ خداوندی کی محکومی اختیار کرے۔ کافر اور مومن میں یہی فرق ہے۔ قرآنِ حکیم کا واضح ارشاد ہے۔ وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُونَ (۵/۴۴) "جو قوم قرآنِ حکیم کے مطابق حکومت نہیں کرتی، تو یہی تو وہ لوگ ہیں جو کافر ہیں۔ سورۃ النور کی آیت (۲۴/۵۵) میں واضح الفاظ میں کہہ دیا گیا ہے کہ جماعت مومنین کو حکومت اس لئے دی جائے گی تاکہ اس میں (۱) دین کا تمکن ہو سکے۔ ۲۔ اس میں صرف اللہ کی عبادت ہو سکے (لِيَعْبُدُونَنِي) اور ۳۔ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا جائے (لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا) ظاہر ہے کہ اگر "عبادت" سے مراد محض "خدا کی پرستش" ہو تو اس کے لئے اپنی حکومت کا ہونا ضروری نہیں۔ پرستش تو ہر حکومت میں ہو سکتی ہے۔ ہمیں انگریز کی غلامی کے زمانے میں "خدا کی پرستش" کی پوری پوری آزادی حاصل تھی، جیسے آج کل مسلمانوں کو ہندوستان اور دیگر غیر مسلم ممالک میں حاصل ہے۔ لہٰذا "اللہ کی عبادت" سے مفہوم اس کی پرستش نہیں بلکہ اس کے احکام کی محکومیت اختیار کرنا ہے لیعنی قرآنِ حکیم کے مطابق حکومت قائم کرنا ہے۔ یہی ہے مفہوم اس آیت کا جس میں کہا گیا ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْإِنسَ إِلَّا لِيَعْبُدُونِ" (۵۱/۵۶) اے رسولؐ! ان سے کہہ دے کہ ہم نے "جن" اور "انس" کو اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ یعنی اس لئے پیدا کیا ہے کہ انسان اپنی تمام قوتوں اور صلاحیتوں کو (سرکش و بے باک رکھنے کی بجائے) قوانینِ خداوندی کے قالب میں ڈھال کر منشائے خداوندی کے مطابق صرف کرے جس کا نتیجہ منفعتِ عامہ ہو گا۔ دوسرے الفاظ میں انسان اپنے "اعمالِ صالحہ" سے ایک قرآنی معاشرہ قائم کرے تاکہ اس کی دنیا بھی سنور جائے اور آخرت بھی۔ ظاہر ہے یہ قرآنی معاشرہ، اسلامی مملکت میں ہی قائم ہو سکتا ہے۔ یہی ہمیں کر کے دکھانا ہے۔ جب تک ہم ایسا نہیں کرتے، زندگی کی منزلِ مقصود ہماری نگاہوں سے دور رہے گی۔

اسلامی مملکت کا قیام

جو کچھ میں نے بتانے کی کوشش کی ہے وہ یہ ہے کہ بعثتِ رسولؐ کا مقصد یہ تھا کہ دینِ خداوندی، دیگر ادیان (نظامہائے عالم) پر غالب آ جائے۔ یہ مقصد اس زمانے کے حالات کے مطابق، حضورؐ کے آخری ایام میں، پوری قوت اور غلبہ کے ساتھ پورا ہو گیا تھا۔ اس اعتبار سے بھی دین کی تکمیل ہو گئی تھی اور وحیٔ خداوندی کے اتمام کے متعلق سورۃ الانعام میں کہہ دیا کہ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ (۶/۱۱۶) کلماتِ خداوندی، صدق و عدل کے ساتھ اتمام تک پہنچ گئے۔ اب اس میں نہ کوئی کمی رہ گئی ہے اور نہ ہی کسی قسم کے تغیر و تبدل کی

ضرورت :: آپ کے بعد نبوت ختم ہوگئی۔

اب قرآن حکیم میں پیش کردہ نظام کو تمام نظامہائے عالم پر غالب آنا ہے (۹/۳۳) اور یہ ظاہر ہے کہ ایسا اسلامی مملکت کے ذریعے ممکن ہوگا، جسے امت متشکل کرے گی۔ جب تک ایسا نہیں ہوگا وہ مقصد حاصل نہیں ہوگا جس کیلئے قرآن کو نازل کیا گیا تھا اور رسول اللہ کو بھیجا گیا تھا۔ قرآن حکیم کا یہ دعوے کہ اللہ کا نظام حیات قائم اور غالب ہو کر رہے گا، رسول اللہ کے امتیوں کے ہاتھوں پورا ہوگا یعنی ہمارے ہاتھوں سے۔ ہم رسول اللہ کے امتی ہونے کا دعویٰ تو کرتے ہیں۔ لیکن جس مقصد کے لئے رسول اللہ آئے تھے اس کے حصول کے لئے صدقِ دل سے جدوجہد نہیں کرتے۔ بعثتِ رسولؐ کا مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ہم وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيعًا وَّلَا تَفَرَّقُوا (۳/۱۰۳) کی صداقت کا عملی مظاہرہ نہیں کرتے۔ یعنی جب تک ہم سب کے سب، بلا استثناء، نظامِ خداوندی کے ساتھ محکم طور پر، وابستہ نہیں ہوتے اور فرقہ پرستی اور پارٹی بازی سے کنارہ کش نہیں ہوتے۔ بعثتِ رسولؐ یا نزولِ قرآن کا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔ اس سمت میں ہمارا پہلا قدم فرقہ پرستی کے خلاف اٹھنا چاہیے۔ ہمارے ہاں جو 'اسلام' رائج ہے، اس نے امت کی وحدت کو پارہ پارہ کر رکھا ہے۔ کیونکہ اس میں مذہبی فرقوں کو پنپنے کی کھلی چھٹی ہے۔ اب تو مذہبی فرقوں کو قانونی اور آئینی تحفظ بھی حاصل ہے (دیکھئے اسلامی جمہوریہ پاکستان کے دستور کا آرٹیکل نمبر ۲۲۷، الف، وضاحتی نوٹ) اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں ہر ایک مذہبی فرقے کی الگ الگ فقہیں ہوتی ہیں، الگ الگ روایات کے مجموعے ہوتے ہیں گویا ہر مذہبی فرقے کا الگ الگ اسلام ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اللہ کے دینِ اسلام میں مختلف فرقوں کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ چونکہ مذہبی فرقے ایک مملکت کے اندر رہتے ہوتے۔ شخصی قوانین کی حد تک ہی سہی۔ الگ الگ ضوابط قوانین کے پابند ہوتے ہیں، اس لئے قرآن حکیم اسے شرک قرار دیتا ہے (۳۰/۳۱-۳۲) اور رسول اللہ سے کہتا ہے کہ ایسا کرنے والوں سے، (یعنی فرقہ پرستوں سے) تیرا کوئی واسطہ نہیں (۶/۱۶۰) اللہ کے دینِ اسلام میں کوئی الگ فقہ نہیں ہوتی۔ اس میں مملکت کا ضابطۂ قوانین ہوتا ہے، جس کا اطلاق ہر ایک پر یکساں ہوتا ہے۔ لیکن ہمارے ہاں کے رائج شدہ 'اسلام' میں ہر ایک مذہبی فرقے کا 'اسلام' علیحدہ علیحدہ ہے جس کا تعین وہ اپنی اپنی فقہوں اور روایتوں کی رُو سے کرتے ہیں۔ یہ اللہ کے عذاب کو دعوت دینا نہیں تو اور کیا ہے؟ ان فرقوں کے علمبرداروں نے دین کو مذہب میں تبدیل کر کے رکھ دیا ہے۔

برصغیر کے مسلمانوں نے پاکستان کا مطالبہ مذہبی فرقوں کے پنپنے کے لئے تو نہیں کیا تھا، بلکہ انہوں نے ایک علیحدہ خطۂ زمین کا مطالبہ اس لئے کیا تھا تاکہ اس میں دینِ اسلام ایک عملی نظامِ حیات کی شکل میں کارفرما ہو سکے۔ یاد رہے ہندوستان میں، اسلام مذہب کی حیثیت میں باقی رہ سکتا تھا، دین کی شکل اختیار نہیں کر سکتا تھا۔ اسے دین کی صورت میں، یعنی ایک نظامِ حیات کی شکل میں متشکل کرنے کے لئے ہم نے ایک آزاد مملکت کے حصول

کا مطالبہ کیا تھا۔ ہمیں چاہیئے تو یہ تھا کہ پاکستان بننے کے بعد اپنے مقصدِ حیات کی تجدید کرتے اور نظامِ خداوندی کو دوبارہ متشکل کر کے اسے دنیا کے تمام نظاموں پر غالب کر کے دکھاتے۔ لیکن حسرت و یاس سے کہنا پڑتا ہے کہ جس مملکت کا خواب اقبالؒ کی چشمِ بینا نے دیکھا اور جس کا تصور قائدِ اعظمؒ کی نگۂ بلند نے دیا۔ حصولِ پاکستان کے بعد بھی اس مملکت کا بدستور انتظار ہے۔

نہ ہے لبوں پہ تبسم، نہ ہے نظر میں پیام
وہ آ گئے ہیں، مگر انتظار باقی ہے

سوچیئے! غور کیجئے! پاکستان اسلامی مملکت کیوں نہ بن سکا، جو اس کے قیام کا مقصد تھا؟ ہم وہ قرآنی معاشرہ کیوں نہ تشکیل دے سکے، جس میں ہر ایک کو اپنی ذات (PERSONALITY) کی نشوونما کے لئے یکساں مواقع ملتے؟ اس کی راہ میں کون رکاوٹ بن کر کھڑا ہے؟

اسلام کے راستے میں رکاوٹ

سوال یہ ہے کہ قرآنی نظام یا اسلامی مملکت کے قیام کے راستے میں کون رکاوٹ بن کر کھڑا ہے؟ جب ہم اس مسئلے کو قرآنِ حکیم کی روشنی میں دیکھتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہؐ کے زمانے میں قرآنی نظام کی مخالفت، مشرکینِ عرب کے علاوہ اہلِ کتاب کے احبار و رہبان (علماء و مشائخ یعنی مذہبی پیشوا) کرتے تھے۔ مشرکین تو مخالفت کا اظہار کھلے بندوں کرتے تھے لیکن مذہبی پیشوا اپنی مخالفت کو مذہب کے مقدس نقاب میں چھپاتے تھے، کیونکہ یہ ان کا معاشی مسئلہ تھا۔ اصل یہ ہے کہ مذہبی پیشوائیت کا نظام سرمایہ داری، سیکولرازم سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے۔ سیکولر نظامِ سرمایہ داری میں، سرمایہ دار کچھ سرمایہ لگا کر دوسروں کی محنت کو غصب کرتا ہے لیکن مذہبی سرمایہ دار ایک پائی کا سرمایہ لگائے بغیر عوام کا استحصال کرتا ہے، وہ اپنے گاڑھے پسینے کی کمائی، مذہبی پیشوائیت کی خدمت میں پیش کرتے ہیں، اور ساتھ ہی ان کے ہاتھ پاؤں چومتے ہیں اور منتیں کرتے ہیں کہ ان کی حقیر سی نذر کو شرفِ قبولیت عطا فرما دیا جائے۔ اس کاروبار کو برقرار رکھنے کے لئے یہ مذہبی پیشوا طرح طرح کے حربے استعمال کرتے ہیں۔ یقین نہ آئے تو کسی پیر کے آستانہ پر جا کر یہ تماشا دیکھئے۔ قرآنِ حکیم نے ان احبار و رہبان (علماء و مشائخ) کی تخریب کاری کو بے نقاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ:-

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّ كَثِيْرًا مِّنَ الْاَحْبَارِ وَالرُّهْبَانِ لَيَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ وَيَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۭ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ (۹/۳۴)

"اے جماعتِ مومنین! علماء و مشائخ (مذہبی پیشواؤں) میں سے اکثر کی یہ حالت ہوتی ہے کہ وہ جھوٹ اور فریب سے لوگوں کا مال مفت میں کھا جاتے ہیں۔ ان کا دعویٰ یہ ہوتا ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ کے راستے کی طرف دعوت دیتے ہیں لیکن درحقیقت ان کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ لوگ اس راستے کی طرف آنے نہ پائیں۔ اس راستے میں سب سے بڑی روک خود ان کا وجود ہے اے رسول! تم ان کے ان علماء و مشائخ کو اور ان کے ساتھ، ان لوگوں کو جو (ان کی خود ساختہ شریعت کی آڑ میں، نظامِ سرمایہ داری کو منشائے خداوندی کے عین مطابق سمجھ کر) سونے چاندی (دولت) کے ڈھیر جمع کرتے رہتے ہیں اور اسے نوعِ انسان کی بہبود کے لئے عام نہیں کرتے، الم انگیز عذاب کی خبر سنا دو"

آپ نے غور فرمایا، قرآن کریم نے احبار و رہبان (علماء و مشائخ یعنی مذہبی پیشوا) کے خلاف دو جرم عائد کئے ہیں۔ ایک یہ کہ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ۔ "وہ جھوٹ و فریب سے لوگوں کا مال مفت کھا جاتے ہیں" اور دوسرا یہ کہ يَصُدُّونَ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ "جن کے متعلق تم سمجھتے ہو کہ اللہ تک لے جانے والے راستے میں تمہارے قائد ہیں۔ درحقیقت اس راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی ہیں۔ جب تک انہیں راستے سے ہٹایا نہیں جائے گا تم اللہ تک پہنچ ہی نہیں سکو گے" دوسرے الفاظ میں جب تک مذہبی پیشوائیت کی رکاوٹ کو دور نہیں کیا جائیگا۔ اللہ کا دین ہمارے معاشرے میں غالب نہیں آسکے گا۔ بالفاظ دیگر جب تک مذہبی پیشوائیت کا وجود باقی ہے، اسلام ہمارے ہاں قدم نہیں رکھ سکتا۔ یہ میں نہیں کہہ رہا ہوں، یہ قرآن کہہ رہا ہے۔ غور کیجئے! سوچئے! اس لعنت سے کیسے ہم چھٹکارا حاصل کر سکتے ہیں۔

قرآن نے کہا ہے کہ انسانیت کو تباہ کرنے کے لئے تین ہی لعنتیں ہیں۔ ملوکیت یا انسانوں کی حکومت (فرعون) نظامِ سرمایہ داری (قارون) اور مذہبی پیشوائیت (ہامان)۔ اس نے ایک ایسا نظام قائم کیا جس میں ان تینوں کا وجود ختم ہو گیا لیکن اس کے بعد جب دین، مذہب میں تبدیل ہو گیا، تو یہ تینوں عذاب، ملت پر مسلط ہو گئے۔ شخصی حکومت اور نظامِ سرمایہ داری کو چھوڑئیے۔ مذہبی پیشوائیت (علماء و مشائخ) نے اپنے پنجے ملت کے جسم میں اس سختی سے گاڑے ہوئے ہیں کہ ہم اس پھندے سے آسانی سے نکل نہیں سکتے۔

مذہبی پیشوائیت کا سارا زور تقلید اور اسلاف پرستی پر ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے انکی اپنی حاکمیت قائم رہتی ہے وہ "اسلاف کے مسلک" کے نام پر اپنی من مانی یہ کہہ کر کرتے ہیں کہ قرآنِ حکیم کے متعلق جو کچھ سوچا سمجھا جانا تھا وہ سب سوچا سمجھا جا چکا ہے۔ اب ہمارا کام فقط یہ ہے کہ جو کچھ ہمیں یہ مذہبی پیشوا کہیں اس کی اندھی تقلید کرتے جائیں خود نہ کچھ سوچیں نہ سمجھیں، اور ہم یہی کر رہے ہیں۔ حالانکہ قرآنِ حکیم نے جو غور و فکر کا حکم دیا تھا تو وہ کسی خاص زمانے کے انسانوں تک محدود نہ تھا۔ وہ تمام زمانوں کے انسانوں کے لئے یکساں حکم تھا۔ اگر ہم غور و فکر نہیں کرتے تو یہ روش قرآنِ حکیم کے واضح حکم کی کھلی ہوئی خلاف ورزی ہے۔

اصل یہ ہے کہ جب قومیں قوتِ عمل سے محروم ہو جاتی ہیں تو وہ اندھی تقلید میں ہی عافیت سمجھتی ہیں۔ غور و فکر بجائے خویش ایک عمل ہے جس میں ذہن کو بڑی محنت اور مشقت کرنا پڑتی ہے۔ پھر غور و فکر سے زندگی کی نئی نئی راہیں سامنے آتی ہیں جنہیں حرکت و عمل ہی سے طے کیا جا سکتا ہے۔ بے عمل قوم اس سے بھی گھبراتی ہے۔ غور و فکر سے بھاگنے کی اصل وجہ تو یہ ہے لیکن انسان کی خوئے بہانہ سازی اسے "سلف صالحین" کا اتباع قرار دے کر جھوٹے اطمینان کا موجب بنا دیتی ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ کچھ عرصہ کے بعد اس قوم میں سمجھنے سوچنے کی صلاحیت ہی ختم ہو جاتی ہے۔ اور مذہبی پیشوا اسے ڈھور ڈنگر کی طرح جدھر جی چاہے لئے لئے پھرتے ہیں۔ حافظے پر زور ڈالئے! کہیں یہ ہماری حالت تو بیان نہیں ہو رہی!؟

قرآن حکیم تقلید اور اسلاف پرستی کے خلاف سب سے بڑا چیلنج ہے وہ اسے کفر اور شرک قرار دیتا ہے:
($\frac{۲}{۱۷۰ - ۱۷۱}$ $\frac{۵}{۱۰۴}$ $\frac{۳۱}{۲۱ - ۲۲}$ $\frac{۳۴}{۴۳}$ $\frac{۴۳}{۲۱ - ۲۴}$) وہ ایسے افراد اور قوم کے متعلق کہتا ہے کہ وہ انسانیت کی سطح سے گر کر، حیوانی سطح پر زندگی بسر کرتے ہیں اور یہ زندگی جہنم کی زندگی ہوتی ہے۔ اس دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ سوچئے اس جہنمی زندگی کو جنتی زندگی سے کیسے بدلا جا سکتا ہے؟ اس کا ایک ہی طریقہ ہے اور وہ ہے وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰہِ جَمِیْعًا وَّ لَا تَفَرَّقُوْا۔ بقول اقبالؒ:

قرآن میں ہو غوطہ زن اے مردِ مسلماں
اللہ کرے تجھ کو عطا جدّتِ کردار!

اٹھئے! نزولِ قرآن با لبعثتِ رسولؐ کے مقصد کی صداقت پر دل سے ایمان لائیے۔ اس کو اپنا مقصدِ حیات بنائیے! اور اس قرآنی معاشرہ کی تشکیل کے لئے جد و جہد کیجئے جو پاکستان بنانے کا مقصد تھا۔ راستے میں مذہبی پیشوائیت کا پہاڑ کھڑا ہے، اسے مسمار کئے بغیر آپ اپنا مقصد حاصل نہیں کر سکتے۔

مذہبی پیشوائیت کی رکاوٹ کیسے دُور ہو گی!

اس "رکاوٹ" کو دُور کرنے کے لئے ہمیں پہلے اپنے اندر اور پھر افرادِ قوم میں، سورۃ الرّعد کی آیت نمبر ۱۱: "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔ ($\frac{۱۳}{۱۱}$)" کی روشنی میں ایک نفسیاتی تبدیلی پیدا کرنی ہو گی "اللہ کا قانون ہے کہ کسی قوم کے خارجی حالات میں تبدیلی نہیں ہو سکتی۔ جب تک وہ قوم اپنے اندر تبدیلی نہ پیدا کرے، جب تک وہ اپنی ذہنیت نہ بدلے، جب تک اس میں فکری اور ذہنی تبدیلی نہ ہو اس کی حالت نہیں بدل سکتی"۔

یہ نفسیاتی تبدیلی پیدا کرنے کے لئے ہمیں لوگوں کو بتانا ہو گا کہ قرآنِ حکیم کی رُو سے مسلمانوں کا مقصدِ حیات

کیا ہے؟ یہ مقصد جیسا کہ ہم نے دیکھا ہے۔ نظامِ خداوندی کو انسانوں کے خود ساختہ نظاموں پر غالب لانا ہے۔ لیکن یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہو سکتا جب تک ہمارا اپنا معاشرہ مکمل طور پر قرآنی احکام و قوانین کے تابع نہیں آجاتا۔ بالفاظِ دیگر جب تک ہمارے ملکِ عزیز پاکستان میں قرآنِ حکیم کے مطابق حکومت قائم نہیں ہو جاتی۔ ایسی قرآنی حکومت کا قیام اس لئے بھی ضروری ہے کہ دنیا دیکھ لے کہ اللہ کا دین ہی وہ نظامِ زندگی ہے جو انسانیت کے مسائل حل کر سکتا ہے۔ جب ہم اندرونی طور پر متحد اور سیاسی، معاشی اور فوجی لحاظ سے طاقتور ہو نگے تو باہر کی طرف بھی دیکھ سکیں گے۔ اور ظلم اور زیادتی جہاں کہیں بھی ہو، اسے روکنے کے قابل بھی ہو سکیں گے۔

قرآنی نظام کے نفاذ سے مذہبی پیشوائیت کا وجود خود بخود ختم ہو جائے گا، اور یہ سب اس وقت ممکن ہوگا جب تک ہم اپنے اندر یہ نفسیاتی تبدیلی پیدا نہ کریں کہ مروجہ مذہب کو دین میں بدلنا ہوگا۔ یہی وقت کی اہم ضرورت ہے اس نفسیاتی تبدیلی کے لئے استقامت آمیز تبلیغ کی ضرورت ہوگی۔ یعنی قرآنی تعلیم عام کرنی ہوگی۔

قرآنی تعلیم

ہر مسلمان مرد اور ہر مسلمان عورت کا مقصد اور منتہیٰ قرآنی تعلیم کی تبلیغ ہونی چاہیئے۔ اس کے لئے ضروری ہے کہ پہلے قرآنی تعلیم کو خود سمجھیں اور سمجھنے کے بعد دوسروں تک پہنچائیں۔ ہماری اس قرآنی مجلس کا یہی مقصد اور منتہیٰ ہے۔ ظاہر ہے کہ اس مقصد کے حصول کے لئے نہائت صبر و استقامت کے ساتھ ایک طے شدہ پروگرام کے مطابق چلنا ہوگا تاکہ قرآنی مقصدِ حیات کے حصول کے لئے زمین ہموار ہوتی چلی جائے۔

اللہ تعالےٰ نے قرآنِ حکیم کو بَلٰغٌ لِّلنَّاسِ (۱۴/۵۲) کہا ہے۔ یعنی وہ ذریعہ جس سے انسانیت اپنی منزلِ مقصود تک پہنچ سکتی ہے اور اس کے ہوتے ہوئے اسے کسی اور ذریعہ یا سامان کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔ لہٰذا قرآن کیا ہے؟ انسانیت کو اس کی منزلِ مقصود تک پہنچانے کا ذریعہ۔ لیکن یہ انہی کو منزل تک پہنچا سکتا ہے جو اس کی اطاعت اختیار کریں، جو اس کے مطابق زندگی بسر کریں۔ اس لئے کہ اِنَّ فِیْ ھٰذَا لَبَلٰغًا لِّقَوْمٍ عٰبِدِیْنَ۔ (۲۱/۱۰۶) "یہ اس قوم کے لئے "بلاغ" ہے جو قوانینِ خداوندی کی اطاعت اختیار کرے"۔ (بلاغ کے معنی ہیں، کسی چیز کا اتنا کافی ہونا کہ اس کے ذریعے انسان اپنے آخری مقصد تک پہنچ جائے اور اسے کسی اور سامان یا ذریعہ کی ضرورت نہ پڑے۔)

تو دیکھا آپ نے منزلِ مقصود تک پہنچنے کے لئے محکم سہارا کونسا ہے۔

اہم بات:۔ آخر میں اپنی گفتگو کے سب سے اہم گوشے کی طرف آتا ہوں۔ یہ بڑی مبارک بات ہے

کہ آپ قرآنی تعلیم کو صحیح طور پر سمجھنے کا ولولہ اپنے دل میں رکھتے ہیں۔ لیکن قرآنی تعلیم کا سمجھ لینا مقصود بالذات نہیں۔ اسے سمجھا اس لئے جاتا ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ اگر قرآنِ حکیم کا صحیح مفہوم ہماری سیرت و کردار میں کوئی تبدیلی نہیں کرتا تو یہ ذہنی تفریح سے زیادہ کچھ نہیں۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا الٰہ، تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں!

حرفِ آخر

میری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ نے حق پر مبنی دین اس لئے بھیجا ہے تاکہ وہ انسانوں کے وضع کردہ تمام نظاموں پر غالب آکر رہے۔ "لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ" ($\frac{9}{33}$)۔ اس سے مراد یہ ہے کہ انسان صرف اور صرف اللہ کے نازل کردہ نظام کے تابع زندگی بسر کرے، قرآن کا دعویٰ ہے کہ ایک دن ایسا ہو کر رہے گا۔ "اللہ اس بات کی نگرانی کرنے کے لئے کافی ہے کہ ایسا ہو کر رہے گا" وَكَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا ($\frac{48}{28}$) اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں ایک دفعہ ایسا ہو بھی چکا ہے۔ تاریخ شاہد ہے کہ عرب میں بسنے والی قوم نے اللہ کے عطا کردہ نظامِ حیات کو اپنایا اور برق رفتاری سے آگے بڑھ گئی۔ اس کے بعد اس قوم نے وحی کی راہنمائی کو چھوڑ دیا۔ اور کاروانِ انسانیت پھر عقل کے تجرباتی طریق کی راہ پر چل پڑا۔ اب اس کی رفتار پھر سست پڑ گئی ہے۔ عقل کے تجرباتی طریق کی رُو سے، ایک صحیح نظریہ تک پہنچنے کے لئے سینکڑوں سالوں کی مسافت طے کرنا پڑتی ہے۔ اس کے برعکس وحیٔ خداوندی انسان کو پہلے ہی دن صحیح نظریاتِ حیات عطا کر دیتی ہے۔ جو جماعت ان نظریاتِ زندگی کی صداقت کو تسلیم کر کے ان کے مطابق عمل پیرا ہو جاتی ہے وہ جلد ہی اپنی منزلِ مقصود کو پا لیتی ہے۔ محمدؐ رسول اللہ والذین معہ، کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ ہم پھر اپنی منزلِ مقصود کی طرف رواں دواں ہو سکتے ہیں بشرطیکہ ہم قرآن کا متعین کردہ مقصد ازسرِنو اپنے سامنے رکھ لیں۔ قرآن ہمیں پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا آمِنُوا بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَالْكِتَابِ الَّذِي نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِ ..... ($\frac{4}{136}$)۔ یہاں یہ بات بظاہر عجیب سی لگے گی کہ جن لوگوں کو خدا خود "اے ایمان والو!" کہہ کر مخاطب کرتا ہے، انہیں ایمان لانے کے لئے کیوں کہا جا رہا ہے؟ یہ بڑی عظیم حقیقت ہے اور گہرے غور و فکر کی محتاج۔

جو قوم مذہب کی سطح پر اتر آتی ہے، جیسے ہم اتر آئے ہیں، لیکن اپنے آپ کو منسوب اسی دین کی طرف کرتی رہتی ہے۔ قرآن انہیں دیگر مذاہب سے الگ کر کے، ان کے ملی تشخص کو تسلیم کرتا ہے۔ اس نہج سے انہیں "يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا" کہہ کر پکارتا ہے۔ لیکن چونکہ انہوں نے خدا کے مقرر کردہ مقصد کو فراموش کر دیا ہوتا ہے۔

اس لئے ان سے کہتا ہے کہ پھر سے اپنے سامنے اسی مقصد کو رکھ لو جو رسولؐ اللہ والذین معہٗ کا مقصدِ حیات تھا۔ یعنی نزولِ قرآن و بعثتِ رسولؐ کا مقصد۔ ظاہر ہے کہ نزولِ قرآن / بعثتِ رسول کا مقصد، جو اب ہمارا مقصدِ حیات ہے، پاکستان میں قرآنی نظام / اسلامی مملکت کے قیام کے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ یہ اسلامی مملکت امت نے، یعنی ہم نے، متشکل کرنی ہے۔ اس لئے ہم اپنی ذمہ داریوں سے بھاگ نہیں سکتے۔ یہ امت کے ہر فرد کی ذمہ داری ہے کہ اسلامی مملکت کی تشکیل کے لئے زمین ہموار کرے۔ یعنی قرآنی معاشرے کے قیام کے لئے اپنی اپنی سطح پر کوشش کرے۔ اس سمت میں بڑھنے کے لئے سب سے پہلا کام تو یہ ہونا چاہئیے کہ اپنے آپ کو دینِ خداوندی کے تابع کریں، تاکہ جب ہم اس کی تلقین دوسروں کو کریں تو ہماری آواز میں کچھ اثر ہو۔ قرآنی مقصد کو پہلے خود سمجھیں پھر دوسروں کو سمجھائیں۔ اس کے لئے استقامت آمیز تبلیغ کی ضرورت ہوگی یعنی قرآنی تعلیم کو ایک پروگرام کے تحت عام کرنا ہوگا۔

مذہبی پیشوائیت کا مسئلہ تو ہمیں، قرآن کی ہدایت کے مطابق، مذہبی فرقوں کے پیشواؤں کو اللہ کے قانون کے سپرد کرکے (۶/۱۶۰)۔ قرآنی تعلیم کو عام کرتے چلے جائیے، اور اپنے "اعمالِ صالحہ" سے ان مذہبی فرقوں کے علمبرداروں کو کہہ دیجئے کہ:

قفس ہے بس میں تمہارے، تمہارے بس میں نہیں
چمن میں آتشِ گل کے نکھار کا موسم!

وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ (۱۲/۲۱)

"اللہ اپنی اسکیموں کو کامیاب بنا کر رہتا ہے۔ لیکن اکثر لوگ سمجھتے نہیں کہ ایسا کیوں اور کیسے ہو رہا ہے"

آخر میں میرے ساتھ دعا میں شامل ہوئیے!

رَبَّنَآ اَتْمِمْ لَنَا نُوْرَنَا وَاغْفِرْ لَنَا ۚ اِنَّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ (۶۶/۸)

"اے ہمارے رب! ہمارے نورِ بصیرت کو مکمل کر دے اور زندگی کے ہر قسم کے خطرات سے ہمیں محفوظ رکھ۔ بیشک یہاں ہر بات تیرے مقرر کردہ قوانین کے مطابق واقع ہوتی ہے"

ضرورتِ رشتہ

قرآنی گھرانے کی ایک بی۔ اے پاس بہن کے لئے موزوں رشتہ درکار ہے!

ف۔ ا معرفت ادارہ طلوعِ اسلام

نورِ مبین

وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَيۡكُمۡ نُوۡرًا مُّبِيۡنًا ۴/۱۷۵

موضوع آپ دیجئے! قرآنی راہنمائی طلوعِ اسلام پیش کرے گا!

ایڈیٹر

آدابِ معاشرت

قرآنِ کریم، کائنات کے دقیق ترین مسائل کے متعلق تصورات، اور انسانی زندگی کے اہم ترین معاملات کے متعلق راہ نمائی دیتا ہے۔ وہ خدا، عالمِ امر، آخرت جیسے مابعدالطبیعاتی مسائل کے متعلق بھی گفتگو کرتا ہے اور سیاسی، معاشی، تمدنی، ملکتی، بین الاقوامی معاملات کے متعلق بھی۔ لیکن اس کے ساتھ ہی وہ روزمرہ کی زندگی کے عام معاملات سے بھی اغماض نہیں برتتا۔ وہ ان کے متعلق بھی ضروری ہدایات دیتا ہے۔ ایک فرد کو کچھ اپنے متعلق کیا کچھ کرنا چاہیئے۔ گھر والوں کے ساتھ کس قسم کے تعلقات رکھنے چاہئیں۔ دوستوں، ہمسایوں، رشتہ داروں، عام ملنے والوں، اپنوں، بیگانوں کے ساتھ کیا برتاؤ کرنا چاہیئے۔ چلنے پھرنے، کھانے پینے، بات چیت کرنے کا انداز کیا ہونا چاہیئے۔ آدابِ محفل کیا ہیں۔ رہنے سہنے کا انداز کیا ہونا چاہیئے۔ اس قسم کی باتیں بظاہر بڑی معمولی سی ہیں، لیکن انسان کی تمدنی اور معاشرتی زندگی کا آغاز اسی قسم کی چھوٹی چھوٹی سی باتوں سے ہوتا ہے۔ اور اس کے کیریکٹر کا صحیح اندازہ انہی گوشوں سے لگ جاتا ہے۔ اس لئے وہ زندگی کے ان عام گوشوں میں بھی حسن انداز اور حسنِ معاملہ کی تاکید کرتا ہے۔ زیرِ نظر عنوان میں

زندگی کے انہی روزمرہ کے معاملات کے سلسلہ میں قرآنی راہ نمائی سامنے لائی جائے گی۔
اس میں آیات کے صرف حوالے دیئے گئے ہیں، آیات درج نہیں کی گئیں قرآن مجید کے نسخے ہر گھر میں موجود ہوتے ہیں قرآنِ کریم کے مختلف نسخوں میں آیات کے شماروں (نمبروں) میں فرق ہوتا ہے۔ اس لئے اگر کوئی آیت، تبویب میں درج شدہ حوالہ کے مطابق نہ مل سکے، تو ایک آدھ آیت پہلے یا بعد میں دیکھ لیں

باہمی میل ملاقات

(۱) جب کوئی تمہیں دعا دے تو تم اسے یا تو اس سے بہتر دعا دو یا کم از کم ویسی ہی دعا دو ۔(۸۶ : ۴)۔
حتیٰ کہ اپنے گھر والوں کو بھی اسی طرح دعا دو ۔(۶۱ : ۲۴)۔ دوسروں کے گھر جاتے وقت بھی ۔(۲۷: ۲۴)
حتیٰ کہ جہلا اور ناواقفوں کو بھی یہی دعا دو۔ (۶۳ : ۲۵) ۔(۵۵ : ۲۸)
اس دعا کے لئے ہمارے ہاں السلام علیکم کے الفاظ کہے جاتے ہیں جس کے معنی یہ ہیں کہ میں تمہاری ہر طرح کی سلامتی کا آرزومند ہوں۔ اس کے جواب میں وعلیکم السلام کے الفاظ سے اس دعا کو لوٹایا جاتا ہے۔

(۲) رسول اللہ سے کہا گیا کہ جب مومنین تمہارے پاس آئیں تو ان سے کہو "سَلَامٌ عَلَيْكُمْ" ۔(۵۴ : ۶)

(۳) اہلِ جنت کا باہمی سلام بھی یہی ہوگا ۔(۴۴ : ۷) ۔(۱۰ : ۱۰) ۔(۲۳ ، ۱۴) ۔(۳۲ : ۱۶) ۔(۷۳ : ۳۹)۔ وہاں ہر طرف سے یہی صدائیں بلند ہوں گی ۔(۲۶ : ۵۶)

(۴) خدا کی طرف سے انبیاء کو سلام کہا گیا ہے ۔(۱۸۱-۱۲۰-۱۰۹-۷۹ : ۳۷)

(۵) جو شخص تمہیں سلام کہے اس کے متعلق تمہارا پہلا ردِعمل یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ مومن نہیں ۔(۹۴ : ۴)
(اس آیت کے یہ معنی بھی ہو سکتے ہیں کہ جب کوئی تمہاری طرف صلح کا ہاتھ بڑھائے تو تمہارا پہلا ردِعمل یہ نہیں ہونا چاہیئے کہ وہ امن کا خواہش مند نہیں۔ جس مقام پر یہ آیت آئی ہے وہاں اس کا یہی مفہوم زیادہ موزوں نظر آتا ہے۔)

(۶) مومن آپس میں بھائی بھائی ہیں ۔(۱۰ : ۴۹) ایک دوسرے کے دوست ہیں ۔(۷۱ : ۹)۔ اگر ان میں کبھی تنازعہ ہو جائے تو ان میں صلح کرا دو۔ اور جو زیادتی کرے اس سے مواخذہ کرو ۔(۹ ، ۴۹)

باہمی بات چیت۔ اندازِ گفتگو

(۱) ہمیشہ صاف، واضح اور سیدھی بات کرو جس میں کوئی پیچیدگی نہ ہو۔ ذومعنی نہ ہو ـــ (۷۰ : ۳۳)
(۲) ایسی زبان بولو جو معاشرہ میں شرفا کی زبان تسلیم کی جاتی ہو ـــ (۵ : ۴)
(۳) نہایت خوبصورت انداز سے، توازن کو برقرار رکھتے ہوئے باتیں کرو ـــ (۵۳ : ۱۷)ـــ (۸۳ : ۲)
(۴) چیخ چیخ کر باتیں مت کرو ـــ (۱۹ : ۳۱)
(۵) گفتگو میں عدل و انصاف کو ملحوظ رکھو ـــ (۱۵۳ : ۶)
(۶) تصنع، بناوٹ، فریب کاری کی باتیں مت کرو ـــ (۳۰ : ۲۲)
(۷) جھوٹ کو سچ کا لباس مت پہناؤ۔ غلط اور صحیح کو خلط ملط مت کرو حق بات کو چھپاؤ نہیں۔

(۴۲ : ۲)

لغویت۔ بے حیائی کی باتیں

(۱) ہر لغو بات اور بیہودہ کام سے پرہیز کرو۔ ـــ (۱۵۳ : ۶)ـــ (۳ : ۲۳)
(۲) لغو باتیں سنو بھی نہیں ـــ (۵۵ : ۲۸)
(۳) کہیں اتفاق سے لغویت کا آمنا سامنا ہو جائے تو وہاں سے شریفانہ انداز سے پہلو تہی کر کے آگے بڑھ جاؤ ـــ (۷۲ : ۲۵)
(۴) جنتی زندگی میں لغویت کا گذر نہیں ہوگا ـــ (۶۲ : ۱۹)ـــ (۲۳ : ۵۲)ـــ (۲۵ : ۵۶)ـــ (۳۵ : ۷۸)

فواحش

فحش اور فحشاء کی تفصیل کے لئے عنوان "فحش" دیکھئے۔ اس مقام پر ان آیات کے حوالے دیئے جاتے ہیں جن میں عام بے حیائی کی باتوں سے منع کیا گیا ہے۔

(۱) فواحش (بے حیائی کی باتوں) کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ کھلی ہوئی ہوں یا پوشیدہ ـــ (۱۵۱ : ۶)۔ خدا نے اسے حرام قرار دیا ہے (۳۳ : ۷)۔ مومن ایسی باتوں سے مجتنب رہتے ہیں ـــ (۳۷ : ۴۲) (۳۲ : ۵۳)

(۲) اگر کبھی غیر ارادی طور پر اس قسم کی بات ہو جائے تو اس سے فوراً تائب ہو جانا چاہیئے ۔۔۔ (۳:۱۳۴)
(۳) معاشرہ میں فحش باتوں کو مت پھیلاؤ ۔۔۔ (۱۹:۲۴)۔ اس میں فحش قسم کا لٹریچر، ڈرامے سینما، ٹی۔ وی وغیرہ جن سے بے حیائی پھیل جانے کا اندیشہ ہو سب آجاتے ہیں۔

چلنا پھرنا

(۱) اوچھوں کی طرح تکبر سے اکڑ کر مت چلو ۔۔۔ (۳۷:۱۷) ۔۔۔ (۱۸:۳۱)۔ اپنی رفتار میں میانہ روی اختیار کرو ۔۔۔ (۶۳:۲۵) ۔۔۔ (۱۹:۳۱)
(۲) عورتوں کو بھی اپنی رفتار میں حیا کا پہلو مدنظر رکھنا چاہیئے ۔۔۔ (۲۵:۲۸)
(۳) راستہ چلتے وقت، دیدے پھاڑ پھاڑ کر ادھر ادھر نہ دیکھتے پھرو۔ شریفوں کی طرح اپنی نگاہوں کو قابو میں رکھو۔ انہیں بے باک نہ ہونے دو۔ مرد بھی ایسا کریں اور عورتیں بھی ۔۔۔ (۳۱-۳۰:۲۴)
(۴) خیانت نگاہوں سے بھی ہوا کرتی ہے۔ اس سے مجتنب رہو ۔۔۔ (۱۹:۴۰)

بات کی تحقیق کرنا

(۱) جب تک کسی بات کی خود تحقیق نہ کر لو اس کے پیچھے مت لگو ۔۔۔ (۳۶:۱۷)
(۲) دوسروں کے متعلق ہمیشہ حسن ظن سے کام لو ۔۔۔ (۱۲:۲۴) ۔۔۔ (۱۲:۴۹)
(۳) جب کسی کے خلاف کوئی بات سنو تو تمہارا پہلا ردعمل یہ ہونا چاہیئے کہ نہیں۔ یہ اسکے خلاف بہتان ہے۔ پھر اس کی بابت تحقیق کرو۔ اور اس سے پہلے اس بات کو دوسروں تک مت پھیلاؤ۔ اس کے یہ معنی بھی ہیں کہ ملزم کو اس وقت تک بے گناہ سمجھو جب تک اس کیخلاف جرم ثابت نہ ہو جائے ۔۔۔ (۱۶-۱۵-۱۲ : ۲۴)
(۴) جب کوئی شرارتی کسی قسم کی افواہ پھیلائے تو، قبل اس کے کہ اسے تم آگے پھیلاؤ۔ اس کی بابت پوری پوری تحقیق کر لو ۔۔۔ (۶:۴۹) اس کی اطلاع ذمہ دار حکام کو .... کر دو تاکہ وہ اس کی بابت تحقیق کر لیں ۔۔۔ (۸۳:۴)
(۵) مظلوم کے سوا کسی کو حق نہیں کہ کسی کے خلاف یونہی بُری باتیں کرتا پھرے ۔۔۔ (۱۴۸:۴)

(۵) دوسروں کے معاملات میں یونہی بیکار ٹوہ نہیں لگتے رہنا چاہیئے ـــــ (۱۲ : ۴۹)

تہمت لگانا

(۱) کسی کے خلاف تہمت نہ لگاؤ ـــــ (۲۳ : ۴۲)۔ پاکباز عورتوں کے خلاف ناحق تہمت لگانا قانوناً جرم بھی ہے۔ عدمِ ثبوت کی صورت میں اس کی سزا اسّی کوڑے ہے ـــ (۲۴ : ۴)ـــ(۳۳ : ۵۸)

(۲) خود جرم کا مرتکب ہونا اور اس کا بہتان دوسروں پر لگا دینا سخت جرم ہے ـــ (۴ : ۱۱۲)

شریف زادیوں کو تنگ کرنا

یہ سنگین جرم ہے، معاشرہ کو اس کے خلاف سخت کاروائی کرنی چاہیئے ـــــ (۶۰ ، ۵۹ : ۳۳)

غیبت، الزام تراشی، حسد وغیرہ

(۱) ایک دوسرے کی غیبت مت کرو۔ یہ نہایت ناپسندیدہ بات ہے ـــــ (۱۲ : ۴۹)
غیبت کے معنی ہیں کسی کے متعلق اس کی عدم موجودگی میں ایسی بات کہنا جسے تم اس کے سامنے بیان کرنا پسند نہ کرو۔

(۲) ایک دوسرے کا تمسخر مت اڑاؤ ـــ (۱۱ : ۴۹)۔ تمسخر میں ہر وہ بات آجائے گی جس سے دوسرے کی ذلت ہوتی ہو۔
کفار، مومنین کا تمسخر اڑایا کرتے تھے ـــــ (۲ : ۲۱۲)ـــ (۹ : ۷۹)
دین سے تمسخر اور استہزاء کرنے والوں سے الگ ہو جاؤ ـــ (۶ : ۷۰)۔ انکی مجلسوں میں بھی نہ بیٹھو ـــ (۴ : ۱۴۰)

(۳) ایک دوسرے کے خلاف الزام تراشی مت کرو ـــ (۱۱ : ۴۹)

(۴) ایک دوسرے کے بُرے بُرے نام مت رکھو ـــــ (۱۱ : ۴۹)

(۵) کسی سے حسد نہ کرو۔ حسد سے مراد ہے کسی کو اچھے حال میں دیکھ کر یونہی جلتے بھنتے رہنا۔ تم کوشش کرو کہ تم بھی، محنت کر کے اس جیسی پوزیشن حاصل کر لو۔ لیکن حسد تو ایک نفسیاتی بیماری ہے جو احساسِ کمتری سے پیدا ہوتی ہے ـــ (۴ : ۵۴)۔ ایسے لوگ بڑے نقصان رساں ہوتے ہیں۔ ان سے اپنے آپ کو محفوظ

رکھنا چاہیے۔ (۵:۱۱۳)

غصہ۔ انتقام

قرآن کریم، انسان کو نہایت متوازن زندگی بسر کرنا سکھاتا ہے۔ لہذا، ہر وہ چیز جس سے انسان اپنا عقلی توازن کھو بیٹھے، مومن کی روش کے خلاف ہوگی۔ خارجی طور پر ان میں منشیات (نشہ آور چیزیں) شامل ہیں اور داخلی طور پر، تعصب، تنگ نظری، حسد، کینہ وغیرہ۔ ان نفسیاتی امراض میں غصہ سب سے زیادہ مہلک ہے کیونکہ اس میں انسان، فوری طور پر، پاگل ہو جاتا ہے۔ جنون (دیوانہ پن) اور مغضوب الغضب ہونے میں فرق یہ ہے کہ مغضوب الغضب انسان عارضی طور پر پاگل ہوتا ہے اور دیوانہ مستقل طور پر یا لمبے عرصہ کے لئے پاگل۔ لہذا، قرآن کی رُو سے مغضوب الغضب ہو جانا مومنین کا شعار نہیں۔ عام طور پر اس کا علاج یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان کو چاہیئے کہ وہ غصہ کو دبا لے۔ چنانچہ قرآن مجید کی آیت والکاظمین الغیظ (۳:۱۳۳) کا ترجمہ کیا جاتا ہے۔ "غصہ کو دبانے والے"۔ یہ صحیح نہیں۔ مرض کو دبا دینے (SUPPRESSION) یا (REPPRESSION) سے نفسیاتی امراض کا ازالہ نہیں ہوتا۔ اس سے اور پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ کظامت کے معنی بڑے غور طلب ہیں۔ عربوں کے ہاں پانی کی بڑی قلت ہوتی تھی۔ اگر کہیں ان کے ہاں کنوئیں سے پانی نکل بھی آتا تھا تو گرمیوں کے موسم میں اس کے پانی کی سطح بہت نیچے چلی جاتی تھی۔ اس دِقت کو رفع کرنے کے لئے وہ دو چار کنوئیں پاس پاس کھود دیتے تھے اور انہیں زمین دوز نالیوں کے ذریعے ایک دوسرے کے ساتھ ملا دیتے تھے۔ اس سے ہوتا یہ تھا کہ اگر ان میں سے کسی ایک کنوئیں میں پانی کم ہو جاتا تھا تو جس کنوئیں میں پانی زیادہ ہوتا تھا اُس کا پانی اس طرف آجاتا تھا۔ اور اس طرح سب کنوؤں کے پانی کی سطح ہموار رہتی تھی۔ ان کا توازن برقرار رہتا تھا۔ اس عمل کو عربوں کے ہاں کظامت کہتے تھے۔ یعنی زاید چیز کو دوسری طرف منتقل کر دینا۔ یہیں سے لفظ کاظمین ہے۔

عصرِ حاضر میں سائیکالوجی (علم النفس) بتاتی ہے کہ جب اعصابی توازن بگڑ جائے تو اس کا علاج یہ ہے کہ جس زاید قوت سے وہ توازن بگڑا ہے اسے کسی دوسری طرف منتقل کر دیا جائے۔ اسے ان کی اصطلاح میں (SUBLIMATION) کہتے ہیں۔ یعنی اس زاید قوت کو پست سطح سے ابھار کر بلند سطح پر لے جانا تاکہ اس سے کوئی مفید کام لیا جا سکے۔ قرآنِ کریم غصہ کا علاج کظامت (SUBLIMATION) بتاتا

ہے۔ یعنی اس بڑھی ہوئی حدت کو کسی دوسری طرف منتقل کر دو تاکہ اس سے مفید کام لئے جا سکیں۔ یہ ہے والکاظمین الغیظ سے مراد۔

یہ بڑھی ہوئی حدت جب دوسری طرف منتقل کی جاتی ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے؟ اس سے انسان میں کشادہ نگہی اور وسعتِ قلب پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ فریقِ مخالف سے درگذر کرتا ہے۔ والعافین عن الناس۔ (۳ : ۱۳۳) "درگذر کرنا" تو پھر بھی ایک منفی عمل ہے، وہ اس سے بھی آگے بڑھتا ہے اور فریقِ مقابل کو اس کی غلطی کے نقصان رساں نتائج سے محفوظ رکھنے کا انتظام کرتا ہے۔ وَاِذَا مَا غَضِبُوْا هُمْ يَغْفِرُوْنَ۔ (۴۲ : ۳۷) یہ سامانِ حفاظت کس طرح بہم پہنچایا جاتا ہے! اس شخص کی اصلاح سے۔

لیکن اصلاح اس کی ہو سکتی ہے جسے اپنی غلطی کا احساس ہو۔ جو اپنے کئے پر نادم ہو اور اپنی اصلاح پر آمادہ۔ (۶ : ۵۴) لیکن جو شخص جان بوجھ کر دوسروں کو ستائے، اور اسے معاف کر دینے سے، بجائے اس کے کہ اس کی اصلاح ہو، وہ اس سے الٹا ناجائز فائدہ اٹھا کر اپنی غلط روش میں اور آگے بڑھتا چلا جائے تو اسے اس کے کئے کی سزا دینا ضروری ہو جاتا ہے۔ لیکن یہ سزا اس کے جرم کی نسبت سے ہونی چاہیئے۔ (۴۲ : ۳۹) اس سے زیادہ نہیں۔ (۴۲ : ۴۰-۴۳)۔ کیونکہ مقصد اس طریق سے بھی اس کی اصلاح اور معاشرہ کی حفاظت ہے، نہ کہ انتقام جوئی۔ "انتقام" قرآن کی رُو سے، قوانینِ خداوندی کے مطابق جرم کی پاداش کا نام ہے، نہ کہ انسان کے ذاتی جذبات کی تسکین کا نام۔ یہی وجہ ہے کہ "انتقام لینے" کا حق صرف "خدا" کو حاصل ہے کسی انسان کو نہیں۔ قرآن کریم میں صرف خدا کو "انتقام لینے والا" کہا گیا ہے، انسانوں کو نہیں۔

عام آدابِ تمدن

(۱)۔ بغیر اجازت کسی کے گھر نہ جاؤ۔ (۲۴ : ۲۷)

(۲)۔ اگر اس گھر میں کوئی نہ ہو تو گھر کے اندر داخل مت ہو۔ اور اگر اہلِ خانہ اس وقت معذرت کر دیں تو بُرا مت مناؤ اور واپس چلے آؤ۔ (۲۴ : ۲۸)

(۳)۔ اگر کسی جگہ تمہارا سامان وغیرہ پڑا ہوا ور وہاں کوئی رہتا نہ ہو تو اس میں داخل ہونے کیلئے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ (۲۴ : ۲۹)

(۴) اگر محفل میں کہا جائے کہ ذرا جگہ کھول دو تو جگہ کھول دیا کرو۔ اور جب کہا جائے کہ محفل برخاست ہوتی ہے تو تم اُٹھ کر چلے آؤ۔ (۵۸:۱۱)
(۵) مجلس میں ناشائستہ حرکات مت کرو۔ (۲۹:۲۹)
(۶) اگر تمہیں کسی کام کے لئے بلایا جائے تو اجازت لئے بغیر وہاں سے یونہی نہ چلے آؤ۔ (۲۴:۶۲)
(۷) اگر کوئی کھانے کے لئے مدعو کرے تو قبل از وقت نہ جا پہنچو۔ وقت پر جاؤ۔ اور جب کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو باتیں کرنے کے لئے مت بیٹھے رہو۔ واپس چلے جاؤ۔ (۳۳:۵۳)
(۸) دوسروں کے ہاں سے کوئی چیز مانگنی ہو تو باہر کھڑے ہو کر آواز دو۔ بلا محابا اندر نہ گھس جاؤ۔ (۳۳:۵۳)

صحت اور صفائی

(۱) علم اور جسمانی توانائی دونوں ضروری ہیں۔ (۲:۲۴۷)
(۲) مریض ہو جاؤ تو خدا نے صحت کے لئے جو قوانین بنائے ہیں ان کے مطابق علاج کرو۔
(۲۶:۸۰)←(۱۶:۶۹)
(۳) صحت کے لئے صفائی نہایت ضروری ہے۔ (۹:۱۰۸)۔ [اس آیت میں مطہرین میں جسمانی صفائی، اور قلب و دماغ کی تطہیر دونوں شامل ہیں۔]
(۴) غسلِ جنابت، استنجا، وضو۔ (۴:۴۳)۔(۵:۶)

لباس۔ زیب و زینت

(۱) زیب و زینت کی چیزیں حلال ہیں۔ انہیں کوئی حرام نہیں قرار دے سکتا۔ (۷:۳۲)
(۲) لباس، ستر پوشی کا ذریعہ بھی ہے اور زینت کا موجب بھی۔ (۷:۲۶)

کھانا پینا

(۱) کون کون سی چیزیں حرام ہیں۔ (۲:۱۷۳)، (تفصیل "حرام و حلال" کے عنوان میں دیکھئے)۔
(۲) حلال چیزوں میں سے وہ کھاؤ جو خوشگوار ہوں یعنی طبیعت کو اچھی لگیں اور صحت کیلئے مفید

ہوں ـــــ (۱۶۸ : ۲)

(۳) کھانے پینے میں اسراف مت کرو۔ اعتدال کے ساتھ کھاؤ ـــ (۳۱ : ۷) ـــ (۲۶ : ۱۷)

(۴) خواہ مل کر کھاؤ، خواہ الگ الگ ـــــ (۶۱ : ۲۴)

(۵) کون کونسے گھروں سے بلا تکلف کھا پی لینا چاہیئے ـــــ (۶۱ : ۲۴)

خرچ اخراجات

(۱) حصولِ رزق کے لئے جدوجہد کرو ـــــ (۱۷ : ۲۹)

(۲) جائز طریقے سے رزق حاصل کرو ـــــ (۱۸۸ : ۲)

(۳) اخراجات میں میانہ روی اختیار کرو۔ نہ اسراف کرو نہ تبذیر۔ اور نہ ہی بخیل بن جاؤ۔

(۶ : ۱۴۱) ـــ (۱۷ : ۲۶-۲۷) ـــ (۱۷ : ۲۹) ـــ (۲۵ : ۶۷)

گھر کی زندگی۔ متعلّقین کے ساتھ برتاؤ

(۱) بزرگِ خاندان کی ذمہ داری ہے کہ وہ اپنے اہل و عیال کو ہر قسم کے غلط اقدامات سے باز رکھے۔ قرآنِ کریم کے الفاظ یہ ہے کہ تم اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو (جہنم کی) آگ سے بچاؤ ـــ (۶۶ : ۶) یہ بڑی جامع تلقین ہے جس میں اہل و عیال کی ہر قسم کی تعلیم و تربیت آجاتی ہے۔ دوسری جگہ ہے کہ حقیقی نقصان میں وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنے آپ کو اور اپنے اہل و عیال کو قیامت کے دن گھاٹے میں رکھا ـــ (۱۵ : ۳۹) ـــ (۴۵ : ۲۴)۔ لہٰذا بزرگِ خاندان کی ذمہ داری یہی نہیں کہ وہ اپنے اہل و عیال کی کفالت کرے۔ اس کی یہ ذمہ داری بھی ہے کہ وہ انہیں غلط راہوں پر چلنے سے بچائے۔

لفظ " اھل " بیوی بچوں تک ہی محدود نہیں۔ اس میں "ساتھی" بھی شامل ہوتے ہیں۔

۲۔ **میاں بیوی کے تعلقات** ـــ ۱۔ میاں بیوی کے تعلقات مودّت، رحمت اور سکینت کے ہونے چاہئیں ـــ (۲۱ : ۳۰)۔ سارے گھر والوں (میاں، بیوی، اولاد) کے باہمی تعلقات اس قسم کے ہونے چاہئیں کہ ان سے ہر ایک کی آنکھوں میں ٹھنڈک آجائے ـــ (۷۴ : ۲۵)

۲۔ تقسیم کار کی رو سے اہل و عیال کی کفالت کی ذمہ داری مرد پر عاید ہوتی ہے ــــ (۴ : ۳۴)

۳۔ اولاد اولاد کی پرورش، تعلیم، تربیت کا صحیح انتظام نہ کرنا، انہیں قتل کر دینے کے مرادف ہے۔ ایسا ہرگز نہیں کرنا چاہیئے ــــ (۶ : ۱۴۱)، (۱۷ : ۳۱)، [واضح رہے کہ عربی زبان میں "قتل" کے معنی مار ڈالنے ہی کے نہیں۔ اس کے معنی کسی کو ذلیل و خوار کرنے کے بھی ہوتے ہیں]

۲۔ قرآن کی رو سے لڑکے اور لڑکی میں کوئی فرق نہیں۔ اس لئے پرورش، تعلیم، تربیت کے سلسلہ میں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں کرنا چاہیئے۔ (تفصیل اس کی "عورت" کے عنوان میں ملے گی۔)

۳۔ لیکن اہل و عیال کی کفالت کے سلسلہ میں، نہ ناجائز کمائی کرنی چاہیئے، نہ ہی ان کی خاطر کسی قسم کا غلط قدم اٹھانا چاہیئے۔ اگر ایسا کیا جائے تو اس قسم کے اہل و عیال کو جن کی خاطر غلط قدم اٹھانا پڑا، قرآن نے دشمن قرار دیا ہے ــــ (۶۴ : ۱۴)، اور فتنہ ــــ (۸ : ۲۸)

۴۔ والدین ۱۔ والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا چاہیئے ــــ (۶ : ۱۵۲)

۲۔ بڑھاپے میں انسان کے اعصاب وغیرہ کمزور ہو جاتے ہیں ــــ (۳۶ : ۶۸)۔ حافظہ بھی کمزور ہو جاتا ہے ــــ (۱۶ : ۷۰)، (۲۲ : ۵)۔ اس لئے وہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگ جاتے ہیں۔ اس پر انہیں ڈانٹ ڈپٹ نہیں کرنی چاہیئے۔ بلکہ ان سے نرمی سے گفتگو کرنی چاہیئے ــــ (۱۷ : ۲۳-۲۴)

واضح رہے کہ جب تک بچہ چھوٹا ہو، اسے ماں باپ کی ہدایات کے مطابق چلنا چاہیئے۔ لیکن جب وہ اپنے معاملات آپ سنبھالنے کے قابل ہو جائے تو اسے اپنے معاملات کے فیصلے آپ کرنے چاہئیں۔ یہ جو ہمارے ہاں عام خیال پایا جاتا ہے کہ "ماں باپ کی اطاعت فرض ہے" یہ قرآن کا حکم نہیں۔

۵۔ رشتہ دار رشتہ داروں سے بھی حسن سلوک سے پیش آنا چاہیئے ــــ (۲ : ۸۳) اور ان میں سے جو ضرورت مند ہوں، حتی المقدور ان کی مالی امداد بھی کرنی چاہیئے ــــ (۲ : ۱۷۷)

۶۔ ملازمین اور ماتحت اپنے ملازموں اور ماتحتوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے۔ (۴ : ۳۶)

۲۔ کارندہ، تنومند و توانا بھی ہونا چاہیئے اور امانت دار بھی ــــ (۲۸ : ۲۶)

۷۔ ہمسایہ ہمسایوں سے بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے۔ خواہ وہ رشتہ دار ہوں اور خواہ بیگانے ــــ (۳۶ : ۴)

۸۔ دوست دوستوں کے ساتھ بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے ــــ (۳۶ : ۴)
واضح رہے کہ جو لوگ قرآنی نظریۂ حیات کو تسلیم نہ کرتے ہوں (غیر مسلم ہوں) انہیں اپنا دوست نہیں بنایا جاسکتا ــــ (۲۷ : ۳)، خواہ وہ ماں باپ، یا بہن بھائی ہی کیوں نہ ہوں ــــ (۲۳ : ۹)

۹۔ یتیم ہر وہ شخص جو معاشرہ میں تنہا رہ جائے۔ یتیم کی اصطلاح میں آجاتا ہے۔ ایسے لوگوں کی نہ صرف مدد کرنی چاہیئے، بلکہ ان کی عزت بھی کرنی چاہیئے ــــ (۱۷ : ۸۹)۔ انہیں دھتکارنا نہیں چاہیئے۔ (۹ : ۹۳)

۲۔ یتیموں کے مال کی حفاظت کرنی چاہیئے ــــ (۱۵۲ : ۶)

۱۰۔ حاجتمند۔ مساکین۔ سائل حاجتمندوں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے ــــ (۸۳ : ۲)۔ انہیں دھتکارنا نہیں چاہیئے ــــ (۱۰ : ۹۳)۔ تمہاری دولت میں ان کا حق ہے ــــ (۱۹ : ۵۱)

۲۔ لیکن سائل سے مراد، پیشہ ور گداگر نہیں، غیور ضرورتمند ہیں ــــ (۲۷۳ : ۲)

۳۔ لیکن کسی کی مدد کرکے، اس کے سر احسان نہیں دھرنا چاہیئے ــــ (۲۶۴ : ۲)۔ اس سے تو اچھا ہے کہ اسے نرمی سے بطریقِ احسن جواب دے دو ــــ (۲۶۳ : ۲)

۱۱۔ مسافر ضرورت مند مسافر سے بھی حسنِ سلوک سے پیش آنا چاہیئے۔ (۳۶ : ۴)
عندالضرورت ان کی مدد کرنی چاہیئے ــــ (۲۶ : ۱۷)

[واضح رہے کہ انفرادی خیرات (مالی امداد) قرض وغیرہ کے احکام، اس زمانہ سے متعلق ہیں جب

ہنوز اسلامی مملکت قائم نہ ہوئی ہو۔ اسلامی مملکت کے قیام کے بعد، یہ مملکت کی ذمہ داری ہو جاتی ہے کہ وہ ہر ضرورتمند کی ضروریات پوری کرے۔ تفصیل اس کی "اسلامی نظام" یا "معاشی نظام" میں ملیگی)۔

قرض

(۱) ضرورت مندوں کی امداد کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ انہیں قرض دیا جائے۔ ربٰو (سود) تو قرآن کی رُو سے حرام ہے اس لئے قرض بلا سود ہی دیا جائے گا۔ قرض (لین دین) کا معاملہ ہمیشہ ضبطِ تحریر میں لے آنا چاہیئے۔ (۲ : ۲۸۲) اگر معاملہ تحریر میں نہ لایا جا سکے تو مقروض کی کوئی چیز بطور امانت اپنے پاس رکھ لینی چاہیئے۔ اسے رہن کہا جاتا ہے۔۔۔ (۲ : ۲۸۳)

(۲) قرض کی ادائیگی کے لئے جو وعدہ کیا جائے اسے پورا کرنا چاہیئے۔ لیکن اگر مقروض کی پوزیشن ایسی نہ ہو کہ وہ وقت پر قرض ادا کر سکے تو اسے مہلت دیدینی چاہیئے۔۔۔ (۲ : ۲۸۰)۔ اور اگر وہ ادائیگی کے بالکل قابل نہ رہے تو قرض معاف کر دینا چاہیئے۔۔۔ (۲ : ۲۸۰)

ایفائے عہد

(۱) جو وعدہ کرو اسے پورا کرو۔۔۔ (۱۷ : ۳۴)۔ انفرادی وعدہ بھی اور اجتماعی معاہدات بھی۔۔۔ (۵ : ۱)

امانت

کسی کو امانت کو احتیاط سے واپس کر دینا چاہیئے۔۔۔ (۴:۵۸)

باہمی مشورہ۔ تعاون۔ میل جول

(۱) معاملات باہمی مشورہ سے طے کرنے چاہئیں۔۔۔ (۴۲ : ۳۸)۔ اس کے لئے خفیہ بات چیت بھی کی جا سکتی ہے بشرطیکہ وہ اچھے کاموں کے لئے ہو۔۔۔ (۵۸ : ۹)

(۲) اچھی باتوں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنا چاہیئے۔۔۔ (۵:۲)۔ غلط کام میں کسی کے ساتھ تعاون نہیں کرنا چاہیئے۔۔۔ (۵ : ۲)

(۳) باہمی میل جول رکھنا چاہیئے۔ لوگوں سے ترش روئی سے پیش نہیں آنا چاہیئے ـــــ (۱۸ : ۳۱)

غیر مسلموں کے ساتھ برتاؤ

(۱) حسنِ معاملات ہر انسان سے (بلا امتیاز اس امر کے کہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم) یکساں طور پر رکھنے چاہئیں۔ غیر مسلموں کے (باطل) معبودوں کے حق میں گستاخی نہیں کرنی چاہیئے ـــ (۱۰۹ : ۶)۔ ان کی پرستش گاہوں کی حفاظت کرنی چاہیئے ـــ (۴۰ : ۲۲)

(۲) چونکہ قرآن نے بتایا ہے کہ خدا نے ہر قوم میں رسول بھیجے تھے اس لئے غیر مسلموں کے بانیانِ مذہب کی عزت کرنی چاہیئے ـــ (۸۳ : ۳) ـــ (۴ : ۱۶۴) ـــ (۳۶ : ۱۶)۔ لیکن اسے اچھی طرح سمجھ لینا چاہیئے کہ ان لوگوں کے پاس خدا کی طرف سے بھیجا ہوا دین اپنی اصل شکل میں کہیں موجود نہیں۔ وہ صرف قرآن کریم کے اندر محفوظ ہے۔ اس لئے اب صحیح اور سچا دین صرف اسلام ہے جس کا ضابطہ قرآن ہے۔

(۳) دین کے معاملہ میں کوئی جبر نہیں ـــ (۲۵۶ : ۲) ـــ (۹۹ : ۱۰) ـــ (۱۸ : ۲۹)

(۴) دوسروں تک حق کی بات ہمیشہ بطریقِ احسن پہنچاؤ ـــ (۱۶ : ۱۲۵)۔ اگر کسی سے بحث کرو تو بھی حسن کارانہ انداز سے کرو ـــ (۱۶ : ۱۲۵)

اصلاحِ خویش

(۱) دوسروں کو نصیحت کرنے کے ساتھ ساتھ اپنی اصلاح کی بھی فکر کرو ـــ (۴۴ : ۲)
جو کہو اس پر (اپنی استطاعت کے مطابق) خود بھی عمل کرو ـــــ (۲ : ۶۱)

(۲) یونہی اپنے آپ کو مقدس نہ بتاتے پھرو ـــ (۳۲ : ۵۳)
کبھی منافقت نہ برتو ـــ (۱۶۶ : ۳)

(۳) اگر کوئی تم سے اچھی بات کہے تو اسے یہ جواب نہ دو کہ پہلے تم خود اس پر عمل کرو۔ پھر مجھ سے کہو۔ اگر وہ بات اچھی ہے تو تم اس پر عمل کرو۔ اگر دوسرا اس پر عمل نہیں کرتا تو اس کا خمیازہ وہ خود بھگتے گا ـــــ (۵ : ۱۰۵)

ـــــ (۰) ـــــ

پرویزؒ صاحب کی معرکہ آرا کتاب "تبویب القرآن" سے ماخوذ

جمیلہ خاتون

عورت کا قرآن

"مشرق" عنقریب ہی ایک نئی کروٹ لینے والا ہے اور اس میں اکثریت مسلمانوں کی ہے اور مسلمانوں میں "عورت" کی تعداد زیادہ ہے۔ نیز دنیا ہر لمحہ، ترقی کے زینے طے کر رہی ہے۔ ملوکیت، پیشوائیت، سرمایہ پرستی، نسلی امتیازات طبقاتی تقسیم اور جغرافیائی امتیازات کی بندشیں ٹوٹ رہی ہیں، اس لئے لامحالہ مسلمان عورتوں کے سامنے بھی بہت سے مسائل آئیں گے اور انہیں اپنے ان حقوق کے قرار واقعی جاننے اور حاصل کرنے کی سعی و کوشش کرنا ہوگی، جو انہیں "قرآنِ مجید" نے عطا کئے ہیں۔ چنانچہ اس کی داغ بیل پڑ گئی ہے۔ ۱۹۴۸ء میں مصر میں "بنت النیل" کے نام سے اور ۱۹۵۱ء میں "بنت الپاکستان" کے عنوان سے پاکستان میں انجمنیں قائم ہو چکی ہیں اور تحریکیں چل رہی ہیں۔ ان انجمنوں کے اغراض و مقاصد بتائے جو بھی جائیں۔ مگر مدعا یہ ہے کہ "مسلمان عورت" پر جو مختلف قسم کی غیر انسانی اور غیر قرآنی پابندیاں اور قید و بند لگا رکھی گئی ہیں ان کو مطلقاً توڑ دیا جائے۔ بالفاظِ دیگر کوشش یہ ہے کہ "مردوں" کے ناروا مظالم سے چھٹکارا حاصل کیا جائے یہ ردِ عمل ہے اس کا کہ اگرچہ "اسلام" یا "قرآنِ مجید" نے اپنے امتیازی نصب العین اور خصوصی نظام کے پیشِ نظر ہیئتِ اجتماعیہ میں، باستثناء چند "مرد" و "عورت" دونوں کو مساوی حقوق دیئے، مگر وہ حقوق قرار واقعی "عورت" کو ملے نہیں۔ یا یوں کہیئے کہ بری طرح غصب کر لئے گئے۔ مولانا حفظ الرحمٰن سیوہاروی سیکرٹری جمعیۃ علماءِ ہند نے اپنی کتاب "اخلاق اور فلسفۂ اخلاق" کے صفحہ ۳۲۲ پر، جو ۱۹۴۰ء میں شائع ہوئی تھی اعتراف کیا ہے کہ:

"اسلام نے معدودے چند مسائل کے علاوہ اگرچہ "عورت" کو تمام حقوق میں "مردوں" کے مساوی رکھا ہے۔ مثلاً تعلیم کا حق دونوں کے لئے برابر ہے۔ اپنی مملوکہ اشیاء میں قانونی تصرفات کا مردوں ہی کی طرح پورا حق عطا کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ مگر عملاً ان حقوق سے "عورت" پوری طرح فائدہ نہیں اٹھا رہی ہے۔ اس لئے کہ ان کے اموال کی ذمہ داری یا تو کسی قریبی عزیز کے سر ہوتی ہے اور یا کوئی وکیل ان کی طرف سے تصرف کا مختار ہوتا ہے اور عورتیں براہِ راست ان معاملات میں بے دخل رہتی ہیں۔ اس طرح نکاح تک کے معاملات میں صرف والدین ہی مجازِ کل ہیں اور ان کی اپنی رائے کی قطعاً پرستش و پروا نہیں ہے۔ حتیٰ کہ ان کو یہ

بھی حق نہیں ہے کہ وہ ہونے والے شوہر کو ایک نظر دیکھ ہی لیں اور ولی اگر اُن سے کسی قسم کا مشورہ بھی کرتا ہے تو وہ محض ایک رسمی صورت میں اور بس۔ نیز ان کو ایک لمحہ کے لئے اس کی بھی اجازت نہیں ہے کہ وہ معمولی حیوان کی طرح کھلی ہوا سے فائدہ اٹھا سکیں۔ اپنی اولاد کے ساتھ باغات کی سیر کر سکیں اور اپنے شوہروں کے دوش بدوش تفریح گاہوں میں تفریح کر سکیں۔ اور اگر ان میں سے کوئی ایک بھی ان امور کی جرأت کر بیٹھے تو گویا اس نے خود کو طعنوں اور ملامتوں کے لئے پیش کر دیا۔ مصر تک میں بہت کم لڑکیاں یونیورسٹی میں علم حاصل کرتی ہیں۔ اور ان کی تعداد کے لحاظ سے ثانوی مدارس میں بھی کم ہی پائی جاتی ہیں اور ابھی تک انہوں نے یہ بھی نہیں سمجھا کہ اُن کے حقوق "غصب" کر لئے گئے ہیں، تاکہ وہ مطالبہ کرنے پر آمادہ ہوں "

مولانا موصوف کا یہ بھی فرمانا ہے کہ:

"بے شک اسلام، نہ اس "افراط" کی اجازت دیتا ہے جو آزادیٔ حقوق کے نام سے مغرب، اور مغرب زدہ ملکوں میں عملاً پائی جاتی ہے اور جہاں "عورت" کی "جنسی مساوات" کے ساتھ ساتھ "صنفی مساوات" کو بھی تسلیم کر لیا گیا .... اور وہ اس "تفریط" کا قائل ہے جس کی بدولت جہالت کے ہاتھوں "عورت" کے ساتھ ایک "باندی" "مملوکہ" یا "حیوان" کا سا سلوک کیا جائے۔" (صـ ۳۳۶)

بلاشبہ وہ دَور گزر گیا جب مرد "عورت" کو ایک جانور سمجھتے تھے۔ اب "عورت" کو ہوش آگیا ہے کہ وہ بھی "انسان" ہے۔ لہٰذا "مرد" کو بقول نیاز فتح پوری:۔

اب تاریخ کو صرف اس لئے نہیں پڑھنا چاہیئے کہ وہ مرد کی تاریخ ہے۔ تمدن کا مطالعہ صرف اس لئے نہ کرنا چاہیئے کہ وہ مرد کے قوائے دماغی کا نتیجہ ہے بلکہ اب تاریخ کا مطالعہ اس حقیقت کو بھی پیشِ نظر رکھ کر کرنا چاہیئے کہ تمام اعمالِ انسانی میں "عورت" بھی پوری پوری حصہ دار ہے "تہذیبِ جدید" نے "عورت" کو علمی و عملی میدان میں بھی "مرد" کے دوش بدوش کام کرنے کا اہل ثابت کر دیا ہے۔ اور اور آج کل یورپ کی معاشرت اس کی شہادت میں پیش کی جا سکتی ہے۔ لیکن چونکہ اس کے ساتھ آپ یہ بھی دیکھیں گے کہ اخلاقی نقطۂ نظر سے "عورت" کی حالت گر گئی ہے۔ اسی بنا پر بعض کا خیال ہے کہ "عورت" کے لئے تعلیمِ جدید یا اس کی آزادی مفید نہیں ہو سکتی۔ مگر ایسا خیال کرنا حقیقتاً واقعات سے غلط نتیجہ اخذ کرنا ہے کیونکہ واقعہ یہ ہے کہ "عورت" کی تربیت کی طرف کبھی بھی صحیح اعتناء نہیں کیا گیا۔ اور اس کا وہ اخلاقی زوال جو ازمنۂ قدیمہ سے شروع ہوا تھا، اب بھی بدستور جاری ہے" (صحابیات۔ صـ ۱۰)

حقیقت تو یہ ہے کہ ؎

قصور "زن" کا نہیں ہے کچھ اس خرابی میں گواہ اُس کی شرافت پہ ہیں مہ و پرویں
فساد کا ہے فرنگی معاشرت میں ظہور کہ "مرد" سادہ ہے بیچارہ زن شناس نہیں

مگر "عورت" کو بھی عقل سے کام لینا ہوگا۔ ہم عورتیں بظاہر آزادی کے سارے مراحل حسبِ خواہش طے بھی کر لیں تو ہماری اسیری بہ باطن دُور نہیں ہو سکتی، ہم کامل آزاد ہو کے بھی قوانینِ الٰہیہ کے پیشِ نظر فطری طور پر "مرد" کے تعلق و تسلط سے آزاد نہیں ہو سکتے کیونکہ ہماری جبلی کمزوری کچھ سہارا چاہتی ہے۔ ہمارے رنگ کی شوخی کپڑے کی محتاج ہے۔ ہماری شمع جب ہی اطمینان سے جل سکتی ہے جب فانوس ہمارا احاطہ کئے ہوئے ہو۔ یہی فطرت کا تقاضا ہے ؎

بظاہر بوئے گُل کو باغ میں حاصل ہے آزادی
مگر موجِ ہوا میں وہ اسیرِ دام ہوتی ہے (اثر مظفر نگری)

میرا خیال یہ ہے کہ اس سلسلہ میں مصر کی مشہور تنظیم "الاخوان المسلمون" کے روشن ضمیر لیڈر اور پیر و مرشد شیخ حسن الحدیبی .... نے بہت عمدہ خیال ظاہر کیا ہے۔ جب اُن سے دریافت کیا گیا کہ:

"آپ زندگی کے تمام دوائر میں عورتوں کی شرکت کے روادار ہیں یا نہیں"؟ تو انہوں نے جواب دیا:۔
اسلام نے زندگی کے تمام شعبوں میں کام کرنے کا حق مردوں اور عورتوں کو مساوی طور پر عطا کیا ہے۔ اگرچہ عورتوں کا فطری دائرۂ عمل خانہ داری اور پرورش و تربیتِ اطفال ہی ہے۔ لیکن اگر عورتیں اپنے اس بنیادی کام کو خوش اسلوبی سے انجام دینے کے بعد اتنی فرصت و استطاعت اور اہلیت رکھتی ہوں کہ زندگی کے دوسرے دوائر میں مردوں کے پہلو بہ پہلو کام کر سکیں تو اسلام ان کو ہرگز منع نہیں کرتا۔ چنانچہ میری دو لڑکیوں نے ڈاکٹری اور نرسنگ کی باقاعدہ تعلیم و تربیت حاصل کی تھی، اب شادیاں ہو جانے کے بعد وہ اپنے گھروں کے اندرونی وظائف کو بھی بہ حسن و خوبی انجام دے رہی ہیں۔ اور ڈاکٹری اور نرسنگ میں بھی مُلک کی خدمت بجا لا رہی ہیں۔"

"اخوان المسلمین" کے امام کا عورتوں کے حقوق و فرائض سے متعلق قطعاً وہی خیال و عقیدہ ہے جو اسلام کی دستوری کتاب "قرآن" میں پیش کیا گیا ہے۔

اس وقت دنیا میں ۷۹ (اناسی) آزاد ممالک ہیں۔ ان میں سے ۴۰ (چالیس) آزاد ممالک میں "عورت" کو مردوں کے برابر "سیاسی حقوق" مل چکے ہیں۔ ان ممالک میں "عورت" کو نہ صرف ووٹ دینے کا حق حاصل ہے بلکہ وہ سرکاری عہدوں پر بحال ہونے کا بھی حق مساوی حیثیت سے حاصل کر چکی ہیں۔ "اقوامِ متحدہ" کے منشور میں بھی "مرد" اور "عورت" کے حقوق بلا استثناء "برابر" تسلیم کئے گئے ہیں۔ ۱۹ر نومبر ۱۹۴۶ء کو،

"اقوامِ متحدہ" کی جنرل اسمبلی نے، ممبر ممالک سے سفارش کی ہے کہ وہ "عورت" کو "مرد" کے برابر "سیاسی حقوق" دیں۔ اس سلسلے میں اقوامِ متحدہ کے "معاشی اور سماجی کونسل" کے ماتحت "عورت" کے معاملات سے متعلق ایک کمیشن بھی بنایا گیا ہے، جس کے ذمّے سفارشات و تفصیلات تیار کرنے کا کام ہے:

جمہوریہ ہند کے آئین و دستور میں بھی "عورت" اور "مرد" کے سیاسی اور دیگر حقوق بالکل مساوی تسلیم کئے گئے اور رکھے گئے ہیں۔ چنانچہ جس طرح اس مُلک کے تمام لوگ بغیر امتیازِ زبان و مذہب شہریت کے حقوق میں برابر ہیں، اسی طرح عورت کے ووٹ دینے سے لے کر تمام سرکاری عہدوں پر بحال ہونے کا حق بھی مل گیا ہے

ذیل میں دنیا کے ان چالیس ملکوں کی مع سنہ، تفصیل دی جاتی ہے، جن میں متذکرہ سنین میں "عورت" کو "مرد" کے برابر ہر قسم کے "سیاسی و سماجی" حقوق مل چکے ہیں:۔

۱۔	نیوزی لینڈ	سنہ ۱۸۹۳ء میں	۲۔	فن لینڈ	سنہ ۱۹۰۶ء میں
۳۔	نوروے	سنہ ۱۹۱۳ء میں	۴۔	ڈنمارک	سنہ ۱۹۱۵ء میں
۵۔	روس	سنہ ۱۹۱۸ میں	۶۔	جرمنی	سنہ ۱۹۱۸ء میں
۷۔	آسٹریلیا	سنہ ۱۹۱۸ء میں	۸۔	لیکزمبرگ	سنہ ۱۹۱۸ء میں
۹۔	پولینڈ	سنہ ۱۹۱۹ء میں	۱۰۔	آسٹریا	سنہ ۱۹۱۹ء میں
۱۱۔	کناڈا	سنہ ۱۹۲۰ء میں	۱۲۔	زیکوسلواکیہ	سنہ ۱۹۲۰ء میں
۱۳۔	سویڈن	سنہ ۱۹۲۱ء میں	۱۴۔	ہنگری	سنہ ۱۹۲۵ء میں
۱۵۔	نیو فاؤنڈلینڈ	سنہ ۱۹۲۵ء میں	۱۶۔	برطانیہ	سنہ ۱۹۲۸ء میں
۱۷۔	جنوبی افریقہ	سنہ ۱۹۳۰ء میں	۱۸۔	اسپین	سنہ ۱۹۳۱ء میں
۱۹۔	سیام	سنہ ۱۹۳۲ء میں	۲۰۔	کیوبا	سنہ ۱۹۳۴ء میں
۲۱۔	اروگوئے	سنہ ۱۹۳۴ء میں	۲۲۔	ترکی	سنہ ۱۹۳۵ء میں
۲۳۔	فلپائن	سنہ ۱۹۳۵ء میں	۲۴۔	ڈمینیکن (ری پبلک)	سنہ ۱۹۴۲ء میں
۲۵۔	مینگولین (ری پبلک)	سنہ ۱۹۴۴ء میں	۲۶۔	اطالیہ	سنہ ۱۹۴۵ء میں
۲۷۔	لیبیریا	سنہ ۱۹۴۵ء میں	۲۸۔	ایکیوڈور	سنہ ۱۹۴۶ء میں
۲۹۔	البانیہ	سنہ ۱۹۴۶ء میں	۳۰۔	برازیل	سنہ ۱۹۴۶ء میں
۳۱۔	فرانس	سنہ ۱۹۴۶ء میں	۳۲۔	یوگوسلاویہ	سنہ ۱۹۴۶ء میں

۳۳۔ پانامہ	۱۹۴۶ء میں	۳۴۔ سیلون	۱۹۴۶ء میں
۳۵۔ انیز ڈیلا	۱۹۴۶ء میں	۳۶۔ چین	۱۹۴۶ء میں
۳۷۔ برما	۱۹۴۷ء میں	۳۸۔ کوریا	۱۹۴۸ء میں
۳۹۔ رومانیہ	۱۹۴۸ء میں	۴۰۔ انڈیا (بھارت)	۱۹۵۰ء میں

ان چالیس ملکوں میں "عورت" متذکرہ سنین میں تمام تر سیاسی حقوق اور کامل آزادی حاصل کر چکی ہے۔ مگر بجز ترکی کے ان میں کوئی بھی اسلامی ملک نہیں ہے۔

نرخنامہ اشتہارات

مجلہ طلوعِ اسلام لاہور

بیرونی صفحات	(آرٹ پیپر)	۱۵۰۰/-
اندرونی صفحات	(آرٹ پیپر)	۱۰۰۰/-
درمیانی صفحات	(پورا صفحہ)	۸۰۰/-
	(نصف صفحہ)	۴۰۰/-
مختصر اشتہارات		۲۰۰/-
پرنٹ لائین		۱۰۰/-

مفکرِ قرآن محترم پرویز صاحبؒ کی قرآنی فکر پر مبنی گراں قدر لٹریچر کا

لاہور شہر میں دوسرا مرکز

مکتبۂ دین و دانش

ملک جلال دین ٹرسٹ ہسپتال بلڈنگ،
چوک اردو بازار لاہور۔

کیا ہمیں قرآن عزیز ہے

ثریّا عندلیب

جی ہاں! ہمیں قرآن بہت عزیز ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ ہم قرآنِ پاک کا دِل و جان سے ادب و احترام کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کرتے۔ اسے حسبِ مقدور سجا سنوار کر بڑی حفاظت سے بلند مقام پر رکھتے ہیں۔ بغیر وضو اسے چھونا حرام سمجھتے ہیں اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ ہم جھوم جھوم کر اس کی تلاوت کرتے بھی ہیں اور سنتے بھی ہیں۔ کیونکہ ہمارے مذہبی علماء اور فضلاء نے ہمیں بتا رکھا ہے کہ قرآن کے صرف الفاظ پڑھ لینے سے بے حدو حساب ثواب ملتا ہے۔

دُور کیوں جائیے ابھی اگلے ہی دِن ہمارے سب سے مؤثر ذریعۂ ابلاغ، ٹی وی پر ایک صاحب دانش و بینش بتا رہے تھے کہ تلاوت کے معنی ہیں لفظ کو زبان سے ادا کرنا اور قرآن کا ایک لفظ ادا کرنے سے دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ اسی سے اندازہ کیجئے کہ قرآن کی "تلاوت" کرنے سے ہم روزانہ کتنی نیکیاں کما لیتے ہیں۔ اسی لئے تو ہمیں قرآنِ کریم عزیز ہے۔ تلاوت کے مروّجہ مطلب نے ہمارے لئے کتنی آسانی مہیا کر دی ہے۔ اسی بنا پر ہمیں اپنے مسلمان ہونے میں کوئی شک و شبہ نہیں اور ہم بڑے اطمینان اور دِل کی خوشی اور رضا مندی سے اپنی اس مسلمانی پر نہ صرف قائم ہیں بلکہ اپنا فرض سمجھ کر اس کی تبلیغ بھی کرتے ہیں۔ عمل کر کے بھی دکھاتے ہیں۔ قرآن کی بڑی برکت ہے اسی لئے تو ہم اس کی قسمیں کھاتے ہیں۔ اس کے تعویذ بناتے ہیں۔ گلے میں بطور لاکٹ اسے پہنتے ہیں۔ تحفہ کے طور پر جب اسے لیتے دیتے ہیں تو لبوں سے اسے چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہیں۔ شادی بیاہ کے موقع پر دولھا دلہن کو قرآن کے سائے تلے سے گذار کر رخصت کرتے ہیں۔ کسی کی موت ہو جائے تو قُل، جمعراتیں اور چالیسویں کی صورت میں ختمِ قرآن کی محفلیں سجتی ہیں۔ پہلے زیادہ سے زیادہ دہرائیاں کی جاتی ہیں یعنی "ختمِ قرآن" ہوتا ہے۔ (جس کسی نے ختمِ قرآن کی ترکیب وضع کی اس نے کچھ غلط نہیں کیا۔ جب بغیر سمجھے جانے کے کسی کتاب کو پڑھا جائے۔ پلّے کچھ نہیں پڑے۔ یہ پڑھنا کتاب کو اس کے مقام سے ہٹانا ہے اور یہ اسے ختم کر دینے کے مترادف ہے) اس کے بعد چائے پانی پھل مٹھائی اور کھانوں کا دَور چلتا ہے۔

"مذہب" کا فریضہ بھی پورا ہوگیا اور مفت کا کھانا بھی مل گیا۔ تفریح بھی حاصل ہوگئی۔ ہر طرح فائدہ ہی فائدہ ہے۔ پھر جن "قرآنی اعمال" کی ہم عوام کو ترغیب دیتے ہیں وہ بھی ہمارے لئے قرآنِ پاک کو عزیز رکھنے کے لئے کچھ کم نہیں۔ مثلاً مولانا صاحب سے سوال ہوتا ہے کہ کوئی ایسا عمل بتادیں کہ میری موٹر سائیکل جو گم ہوگئی ہے مل جائے۔ جواب ملتا ہے۔ پانچ سو مرتبہ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ہر روز پڑھ لیا کریں۔ (موٹر سائیکل مل جائے گی)۔ دوسرے صاحب ایک لڑکی سے شادی کرنے کے خواہش مند ہیں۔ وہ اس شادی کے ہونے کیلئے وظیفہ طلب کرتے ہیں۔ انہیں "یاعزیز" کثرت سے پڑھتے رہنے کی ہدایت ملتی ہے۔ یہ کوئی گئے گزرے زمانے کی باتیں نہیں ہیں۔ اس بیسویں صدی کے اواخر کی "حقیقتیں" ہیں

اور سنیئے! بینائی تیز کرنے کیلئے "عمل" پوچھا جارہا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، سورہ قٓ کے دوسرے رکوع کی ایک آیت فکشفنا عنك سے حدید تک ۴۵ مرتبہ آنکھ کے سرے پر پڑھ کر سرمہ لگایا کریں یا پانی پر دم کرلیا کریں (فھوالمراد) ایک صاحب تقریر کرتے ہوئے یا کسی بڑے افسر سے بات کرنے سے اپنے دل اور سانس پر قابو نہیں پا سکتے۔ دل بے طرح دھڑکنے لگتا ہے اور سانس پھول جاتا ہے۔ وہ خود اعتمادی پیدا کرنے کا "عمل" پوچھتے ہیں۔ عمل بتایا جاتا ہے۔ ہر نماز کے بعد (کم نہ زیادہ) پورے ۲۰۰ مرتبہ زبان سے لا الٰہ الا اللّٰہ دہرائیے۔ (بحوالہ جنگ ۲ جنوری ۱۹۹۰ء "دینی مسائل")

یہ تو بطور مثال چند اعمال ہیں ورنہ تو ظاہر ہے کہ ہمارے ہاں ایسے مستحکم "اعمالِ صالحہ" ان گنت تعداد میں کئے اور کروائے جاتے ہیں اور اسلام کے شادیانے بجائے جاتے ہیں۔ پھر آپ کا یہ پوچھنا کہ ہمیں قرآن عزیز ہے! غیر ضروری نہیں کیا؟ خیر آپ کا یہ پوچھنا ضروری ہو یا غیر ضروری، جب ہم بات قرآن کی کر رہے ہیں تو اس بارے میں ہم سے پوچھنے کا حق بھی قرآن ہی رکھتا ہے اور دیکھئے وہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے کہ میرے ساتھ یہ کیا استہزاء ہو رہا ہے۔ یہ لوگ قرآن کو عزیز رکھنے کا دعویٰ رکھنے والے ذرا میرے سامنے آئیں اور اس صداقت کو دیکھیں جو میں پیش کرتا ہوں۔ میرے الفاظ کے اس مفہوم کو سمجھیں جو میں نے متعین کیا ہے۔

قرآن کی زبان عربی مبین ہے اور عربی زبان میں تلاوت کے معنی پیچھے پیچھے چلنے یعنی قرآن کے احکام اور قوانین کی پیروی کرنے کے ہوتے ہیں۔ راغب کے نزدیک تلاوت بالخصوص خدا کی طرف سے نازل شدہ کتابوں کے اتباع کو کہتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ اتباع احکام کو اچھی طرح ذہن نشین کر لینے کے بعد ہی ہوسکتا ہے۔ چنانچہ احکام کو سمجھتے ہوئے پڑھنے کو بھی تلاوت کہتے ہیں۔ لیکن قرأت یعنی پڑھنا، تلاوت کے اندر آجاتا ہے جبکہ تلاوت، قرأت کے اندر نہیں آتی۔ لہٰذا تلاوتِ قرآنِ کریم کا مفہوم قرآن پر عمل کرنے کیلئے اسے پڑھنا ہے

بس یونہی سمجھے بغیر پڑھتے رہنا نہیں، جسے ہم نے اپنا شعار بنا رکھا ہے

قرآن میں تلاوت کے متعلق کہا گیا ہے:-

اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰھُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ (۲/۱۲۱)

"جن لوگوں کو ہم نے یہ کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں جیسا کہ تلاوت کرنے کا حق ہے۔
یہی لوگ ہیں جو اس کتاب پر ایمان رکھتے ہیں"

تلاوت کرنے کے حق سے تلاوت کا مفہوم پیروی کرنا واضح ہے۔ کیونکہ ان لوگوں کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہی لوگ درحقیقت اس پر ایمان رکھتے ہیں۔ اگر اس کے معنی فقط پڑھنے کے ہوں تو قرآن کو تو غیر مسلم بھی پڑھتے ہیں جو اس پر ایمان نہیں رکھتے۔ قرآن بار بار کہتا ہے کہ مومن وہی ہیں جو میرے احکام کی پیروی (تلاوت) کرتے ہیں۔

چنانچہ قرآن کا پڑھنا (قرأت) اس لئے ضروری ہے کہ اسے سمجھ لیا جائے اور سمجھنا اس لئے ضروری ہے کہ اس پر عمل کیا جائے۔ تلاوت سے یہی مراد ہے نہ کہ وہ بنیادی خود فریبی کہ صرف قرآن پڑھ لینے کو تلاوت کا نام دے کر یہ سمجھ رکھا ہے کہ قرآن کے تعلق سے ہمارا فرض پورا ہوگیا اور زندگی کا مقصد حاصل ہوگیا یوں بلا سوچے سمجھے پڑھنے سے "ثواب" ملنے کے مفروضے سے ہم قرآن کو عزیز تو کیا رکھیں گے، سرے سے قرآن سے بیگانہ ہو چکے ہیں۔ دوسری طرف اس کے ساتھ ہمارا استہزاء یہ ہے کہ ہم نے اس کے الفاظ کو جنتر منتر بنا ڈالا ہے۔ فلاں لفظ یا فلاں آیت کو ۲۰۰ دفعہ دہرا لو تو یہ ہو جائے گا، فلاں کا ۵۰۰ دفعہ وظیفہ کرلو، جو چاہتے ہو مل جائیگا یہی ہے ہمارا اس قرآن اس کتاب اللہ کو عزیز رکھنا جسے اللہ نے ہمارے لئے ضابطۂ حیات بنا کر نازل کیا ہے؟ اس کتاب عظیم کے عظیم الفاظ کا یہ مصرف ہو سکتا ہے؟ کبھی ہم نے سوچا۔ کبھی ایسا کرنے والوں کو روکا۔ کبھی اس فریب خوردگی اور فریب دہی پر ہمارا دل کانپا۔ ہمارا ذہن لرزا۔ کبھی نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم قرآن کو عزیز رکھنے کا دعوےٰ کرنے والے اس کے اتنے قریب ہوتے ہوئے اتنے دور نہ ہوتے۔

پھر یہ دیکھئے کہ ادھر ہم تو اس زعم میں پڑے ہیں کہ ہمیں قرآن بہت عزیز ہے۔ ادھر قرآن نازل کرنے والا، ہمارے دلوں میں چھپے بھید جاننے والا، ہماری رگِ جان سے قریب ہمیں کس طرح بے نقاب کر رہا ہے۔ سورہ محمدؐ کی نویں آیت کو سامنے لائیے!!

ذٰلِكَ بِاَنَّھُمْ كَرِھُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَھُمْ ۝

"جو کچھ اللہ نے قرآن میں نازل کیا ہے یہ اس کو پسند نہیں کرتے اس سے کراہت رکھتے ہیں۔ اس وجہ سے ان کے اعمال ضائع چلے جائیں گے"

یعنی مجبوراً خدا کی کتاب کا نام تو لیتے ہیں گے لیکن دل سے اسے تسلیم نہیں کریں گے۔ اس سے کراہت رکھیں

گے۔ یہ آئینہ ہمیں دکھایا جا رہا ہے۔ ہم نے کبھی غور کیا کہ ہمارے اور پوری امتِ مسلمہ کے زوال کا بنیادی سبب کیا ہے۔ وہ واحد سبب ہے قرآن کو اس کے صحیح مقام سے ہٹا دینا۔ جو ہم نے کیا اور جس کو ہم کرتے چلے جا رہے ہیں۔ ہم بڑے زور و شور سے قرآن کو ماننے کا اعلان کرتے ہیں لیکن ہمارے اعمال اس کی تعلیم کے یکسر خلاف ہوتے ہیں۔ کبرھُوا سے اس کی تصدیق ہوتی ہے کہ ایسا کرنے والے ہم نام نہاد مسلمان ہی ہیں کیونکہ کافر تو اسے مانتے ہی نہیں۔ یہاں ہندو، عیسائی، غیر مسلم کا تو سوال ہی نہیں۔ یہ ہم ہیں جو مسلمان کہلاتے ہیں۔ قرآن کو مانتے ہوئے اسے نہیں جانتے۔ زبان سے مانتے ہیں دل میں کراہت رکھتے ہیں۔ بظاہر یہ بات بڑی حیرت انگیز ہے کہ مسلمان ہو کر ما انزل اللہ سے کبیدگی پیدا ہو۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ مگر صد حیف! کہ ہو رہا ہے۔ بس ہم نے ہی آنکھیں بند کر رکھی ہیں، کان لپیٹ رکھے ہیں۔ قرآن تو خود اس کی شہادت دے رہا ہے۔ یہ کہہ کر:۔

> جب تو قرآن میں صرف خدا کا ذکر کرتا ہے تو ان کے دلوں میں اس سے کبیدگی پیدا ہوتی ہے اور وہ منہ پھیر کر چل دیتے ہیں (۱۷/۴۶)

یعنی صرف خدا کی اطاعت، صرف قرآن کی محکومی۔ بس اور آگے کچھ نہیں۔ پھر کہا:

> "جب تو خدائے واحد کی بات ان کے سامنے کرتا ہے تو جو لوگ قانونِ مکافاتِ عمل پر ایمان نہیں رکھتے (اسے پیشِ نظر نہیں رکھتے) جن کا آخرت کی زندگی پر ایمان نہیں ہوتا تو اس سے ان کے دل کبیدہ ہوتے ہیں (وہ جھنجھلا اٹھتے ہیں) اور جب تو خدا کے سوا اوروں کا، (مذہبی پیشوا، حضرت صاحبان وغیرہ) کا ذکر کرتا ہے تو ان کی باچھیں کھل اٹھتی ہیں" (۳۹/۴۵)

یہ ہوئی نہ بات۔ گویا اکیلے خدا کے احکام و قوانین سے بات نہیں بنتی۔ (نعوذ باللہ) اس کی بے شمار مثالیں گذشتہ ہزار سال سے چلی آ رہی ہیں۔ اور ہمارا دور ان سے 'محروم' نہیں۔ قرآن نے لونڈیوں اور غلاموں کا وجود ختم کر دیا۔ اس کے برعکس دورِ ملوکیت میں شاہی حرموں میں تین تین ہزار لونڈیاں موجود رہیں، اور اسے جائز سمجھا گیا۔ جب لونڈی غلاموں کے متعلق قرآن کے حکم کی طرف توجہ دلائی گئی تو فرمایا گیا " ان کی غلطی کا اصل سبب یہ ہے کہ انہوں نے صرف قرآن سے غلامی کا قانون اخذ کرنے کی کوشش کی ہے۔" (مودودی مرحوم)۔ اسی طرح یہ فتویٰ صادر ہوا کہ "قرآن اور حدیث جب دونوں آئیں اور دونوں میں تضاد ہو تو حدیث قرآن پر قاضی ہے"۔ اور آگے بڑھے تو فرمایا کہ حدیث قرآن کی آیت کو منسوخ کر سکتی ہے (مودودی مرحوم) صرف یہی نہیں۔ یہاں تک جا پہنچے کہ "جو لوگ شریعت کو صرف قرآن کے اندر سمجھتے ہیں وہ کافر ہیں"۔ (امین احسن اصلاحی۔ بحوالہ تسنیم، استقلال نمبر) دیکھئے مذکورہ آیتِ قرآنی کی کس طرح تصدیق ہو رہی ہے! قرآن تو ہمیں عزیز

ہے۔ اور ہمارے اسلامی معاشرے میں قانون چلتا ہے فقہ و روایات کا۔ علیحدہ علیحدہ فرقے اور ہر فرقے کی اپنی اپنی فقہ۔ جب لکھ کر بھیجا گیا کہ ہم فقۂ قرآنی سے متمسک ہیں تو یک قلم اسے مسترد کر دیا۔ بھلا فقہ قرآنی کیا ہوتی ہے!! بیٹھے رہیئے لے کر اپنی کتاب کو۔ خدا کہتا ہے کیا یہ لوگ اسے کافی نہیں سمجھتے؟ ہمارے پیشوا ہمارے مفسر کہتے ہیں یہ کافی نہیں ہے۔ یہاں تو مسلمان وہی رہ سکتا ہے جو صرف قرآن سے نہیں بلکہ کسی فرقے سے بھی وابستہ ہو۔ یعنی جو شرک کا مرتکب ہو۔ (قرآن کے نزدیک فرقے بنانا شرک ہے۔) اس کے بغیر مسلمان ہونا چہ معنی دارد؟ ایک غیر مسلم صحافی ہانگ کانگ سے پاکستان آیا۔ اس نے اس وقت کے صدر پاکستان ضیاالحق سے رجم کے متعلق سوال کیا کہ آیا یہ سزا ہے؟ جواب ملا کہ ہاں یہ سزا ہے! اس نے کہا مگر قرآن میں تو یہ نہیں ہے اس پر فرمایا گیا کہ اس کے باوجود یہ شریعت کا حکم ہے۔ اللہ اکبر

قرآن کریم میں بالتصریح یہ لکھا ہے کہ پورے مال کی وصیّت جس کیلئے کرنی ہو، کی جاسکتی ہے اور یہ اتنی ضروری ہے کہ وراثت اور ترکہ کا حکم ہر وصیت پوری کرنے کے لئے بھی رکھا گیا ہے۔ تین دفعہ یہ حکم آیا ہے اور تینوں دفعہ اس کے لئے وصیت پوری کرنے کے بعد کہا گیا ہے۔ وصیّت کیسے لکھی جائے گی، کیسے لکھائی جائے گی۔ اس پر پوری آیت نازل ہوئی۔ یہاں وصیّت کیلئے قانون یہ بنا کہ وہ صرف ایک تہائی میں ہوسکتی ہے۔ اور وارثوں کے حق میں نہیں کی جاسکتی۔

کیا اسی کا نام ہماری قرآن سے وابستگی ہے؟ مَا اَنْزَلَ اللہ کو چھوڑ کر اپنی من مانیاں کرنا۔ اپنی مفاد پرستیوں کے تحت قانون بنانا۔ کیا یہ تلاوت کا حق ادا کرنا ہے؟ کیا یہ قرآن کو عزیز رکھنا ہے۔ یہ تو دو ایک مثالیں بطور نمونہ پیش کی گئیں ورنہ تو ہماری پوری زندگی قوانینِ خداوندی سے روگردانی میں گزرتی ہے۔ ہمارے لئے اس سے بڑی قیامت اور کیا ہوگی کہ اس وقت دنیا میں قرآن کا قانون کہیں بھی نافذ نہیں۔ صرف انسان کا قانون لاگو ہے جو آج بنتا ہے تو کل مٹتا ہے۔ اس امتِ مسلمہ کو عروج حاصل ہو تو کیسے؟

مزید ستم یہ ہے کہ ہمیں اپنی زبوں حالی کا سبب معلوم ہے تو اس کے علاج کو بھی ہم جانتے ہیں لیکن ہم بدستور اس فریب کی پناہ لئے ہوئے ہیں کہ اللہ تو بڑا کارساز ہے۔ وہ ہمارے کچھ کئے بغیر ہمارا بیڑا پار لگا دے گا یعنی ہمیں بخش دے گا۔ قرآن کی اس للکار کو ہم سنتے ہی نہیں کہ خدا کی پشت پناہی تو اسی فرد اسی قوم کو حاصل ہوسکتی ہے جو عملی طور پر اس کے قائم و دائم قوانین کو تسلیم کرے۔ مَا اَنزَل اللہ کو چھوڑ کر یہ سمجھ لینا کہ خدا ہمارا ہے اور ہماری مدد کرنا اس کا فرض ہے! کیا بات ہے ہماری۔ اس سلسلے میں کینیڈا سے ایک قرآنی فکر رکھنے والی قرآنی بیٹی نے کیسی سچّی اور کھری بات لکھی ہے۔ وہ کہتی ہے کہ آپ تو خواہ مخواہ ہی الجھ رہے ہیں، بات تو سیدھی ہے۔ اللہ تعالےٰ نے قرآن کی حفاظت کا ذمہ خود لیا تھا اور قرآن کی اطاعت کی ذمہ داری

ہم پر ڈالی تھی۔ ہم نے یہ کیا کہ قرآن کی حفاظت کے ذمّہ دار بن گئے۔ خدا کی ذمّہ داری ہم نے اٹھالی اس کے بعد اطاعت کی کیا ضرورت رہ گئی۔ ہمیں اپنے دلوں پر ہاتھ رکھ کر جواب دینا چاہیئے۔ کیا بالکل ایسا نہیں ہے؟ آخر ہم چاہتے کیا ہیں۔ ہم نے اپنی مسلمانی میں آسانی ڈھونڈ لی۔ ذکر و فکر خانقاہی میں مست ہوکر۔ مگر مسلمان ہونا اتنا آسان نہیں۔ ہم رسولؐ کے اُمتی اس کے نام لیوا ہیں اور بھولے بیٹھے ہیں حضورؐ کی اس پکار کو جو حشر میں اُٹھے گی، جب آخرت کے میدان میں ہماری قوم گزرے گی تو آپؐ بدرگاہِ ربّ العزّت یہ شکائت فرمائیں گے کہ:

"یہ وہ میری قوم گزر رہی ہے جس نے قرآن کو چھوڑ رکھا تھا"..........[25/30]

یہ ہوگا ہمارا تعارف کہ نسبت حضورؐ کی طرف اور کیفیت یہ کہ قرآن پر ایمان رکھ کر قرآن کو چھوڑ دیا۔ کیا ہم یوں ہی اپنے سانس لمبے کرتے جائیں گے! کیا ان اعمالِ غیر قرآنی کے ساتھ ہماری زندگی نشوونما پاسکے گی؟ آخرت کا سامنا کرسکے گی؟ سوچیئے! سنجیدگی سے سوچیئے! شاید یہ سوچنا ہماری کایا پلٹ سکے!

گہرہائے تابدار

حضرت ابوسعید خدریؓ سے روائت ہے کہ ہم رسول اللہؐ کے ساتھ سفر میں تھے ایک شخص آیا اور دائیں بائیں دیکھنے لگا۔ آپؐ نے فرمایا، جس کے پاس سواری ضرورت سے زائد ہو وہ اس شخص کو دیدے، جسے اس کی ضرورت ہو۔ جس کے پاس زادِ راہ ضرورت سے زیادہ، وہ اُسے دیدے جس کے پاس نہ ہو۔ اس طرح آپؐ نے بہت سی چیزوں کا ذکر فرمایا۔ حتیٰ کہ ہم نے سمجھ لیا کہ ہم میں سے کسی کو ضرورت سے زیادہ کوئی چیز رکھنے کا حق نہیں۔ (مسلم بحوالہ ریاض الصالحین امام نوویؒ)

حضرت ابوموسیٰؓ سے روائت ہے کہ اشعر کے قبیلہ والوں کے ہاں یہ دستور تھا کہ جب کسی جنگ میں ان کے پاس کھانا تھوڑا رہ جاتا یا مدینہ میں ان کے بال بچوں پر فاقہ کی نوبت آجاتی تو یہ لوگ اپنے اپنے کھانوں کی چیزوں کو ایک جگہ جمع کر لیتے اور ایک برتن میں برابر حصے لگاکر آپس میں تقسیم کرلیتے ـــــــ رسول اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ (بخاری، مسلم)

"مودودی، غلام احمد پرویز اور ڈاکٹر اسرار احمد کی فکر خام اور تحریکیں ناکام ہیں" (طاہر القادری)

حکیم الامت حضرت علامہ اقبالؒ نے کہا تھا :

میں جانتا ہوں انجام اس کا
جس معرکے میں مُلّا ہوں غازی

ہمارے دَور کے ایک (بزعم خویش) روشن خیال مذہبی پیشوا طاہر القادری صاحب کے حوالے سے عنوانِ بالا کے تحت روزنامہ نوائے وقت بابت ۱۱ جنوری ۱۹۹۰ء میں ایک مضمون شائع ہوا ہے، جس میں انہوں نے کہا کہ محترم پرویزؒ صاحب (مع مودودی صاحب اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب) کی فکر خام اور تحریکیں ناکام ہیں۔

محترم پرویز صاحبؒ نے اپنی زندگی میں جو جہاد کیا اس کے (سمجھنے کی خاطر یوں کہا جاسکتا ہے کہ) دو حصے ہیں :

"اولاً تحریکِ حصولِ پاکستان کے دوران نیشنلسٹ علماء کے حلقہ کی طرف سے بے پناہ مخالفت کا سدِ باب اور قوم کے سامنے اس تحریک کی قرآنی اہمیت و جواز کو اس طرح پیش کرنا کہ یہ تمام ہندی مسلمانوں کا تقاضا بن سکے۔ اس تحریک کے دوران محترم پرویزؒ صاحبؒ۔ حضرت قائدِ اعظمؒ کے شانہ بشانہ مصروفِ کار رہے اور اللہ تبارک و تعالےٰ نے ان زعما کی کوششوں کو شرفِ قبولیت بخشا اور ۱۴ اگست ۱۹۴۷ء کو مملکتِ پاکستان دنیا کے نقشے پر اُبھری۔ محترم پرویزؒ صاحب کی انہی خدمات کے اعتراف کے طور پر انہیں ۱۴ اگست ۱۹۸۹ء کو تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل بھی پیش کیا جاچکا ہے۔"

"محترم پرویزؒ صاحب کے جہاد کا دوسرا حصہ (جو تحریکِ حصولِ پاکستان کے دوران بھی جاری رہا) یہ تھا کہ قوم کے سامنے اس قرآنی معاشرہ کے خدوخال پیش کئے جائیں جس کے قیام کے لئے

پاکستان حاصل کیا جارہا تھا۔ محترم پرویزؒ صاحب اپنی عمر کے آخری روز تک یہ فریضہ انجام دیتے رہے۔ لہٰذا یہ کہنا کہ پرویزؒ صاحب کی فکر خام اور تحریک ناکام ہے حقیقت کا منہ چڑانے کے مترادف ہے۔

ہم نے اس سلسلہ میں پاکستان کی معروف شخصیت، شہرہ آفاق قرآنی سکالر جناب ڈاکٹر سیّد عبدالودود صاحب سے ایک انٹرویو لیا جو من وعن پیشِ خدمتِ قارئین ہے۔ ممکن ہے اس آئینہ میں طاہر القادری صاحب اپنا چہرہ دیکھ سکیں۔

(ادارہ طلوعِ اسلام)

س ۔ ڈاکٹر صاحب! کیا آپ بزمِ طلوعِ اسلام کے ممبر ہیں؟

ج ۔ نہیں! نہ میں کبھی بزمِ طلوعِ اسلام کا ممبر رہا ہوں نہ اب ہوں۔ البتہ پرویزؒ مرحوم کا درسِ قرآن میں ایک لمبی مدت تک حاضری دی ہے اور اس سے مستفید ہوا ہوں!

س ۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ پروفیسر طاہر القادری صاحب بہت اچھے مقرر ہیں۔ آپ کا کیا خیال ہے؟

ج ۔ میری سماعت کئی سالوں سے خراب ہے اس لئے میں تقریریں سننے کیلئے کہیں نہیں جاتا۔ نہ میری کبھی پروفیسر مذکور سے ملاقات ہوئی ہے۔ اس لئے میں کہہ نہیں سکتا کہ وہ کیسے مقرر ہیں۔

س ۔ آپ نے پروفیسر صاحب کو ٹیلیویژن پر تقریر کرتے تو دیکھا ہوگا!

ج ۔ ہاں بعض اوقات ان کو مغرب کی نماز کے وقت ٹیلیویژن پر تقریر کرتے دیکھا ہے۔ آواز تو مجھے سنائی نہیں دیتی البتہ ان کی اچھل کود سے ان کی طلاطم خیزی کا پتہ چل جاتا ہے۔

س ۔ لیکن آپ نے ان کی کوئی نہ کوئی تحریر تو ضرور پڑھی ہوگی اور روزنامہ نوائے وقت میں ان کا ایک کالم بھی شائع ہوتا ہے اس سے آپ نے ان کی علمی سطح کا اندازہ لگایا ہوگا؟

ج ۔ ہاں چند ایک مرتبہ نوائے وقت میں ان کی تحریر پڑھی ہے۔ تصوّف کی دلدل میں اُلجھے نظر آتے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ پیشتر ایک صاحب نے مجھے ان کے ایک اخبار کا تراشہ دیا تھا جسے پڑھ کر میں سخت متنفر ہوا پھر اس کے بعد میں نے ان کی کوئی تحریر پڑھنے میں وقت ضائع نہیں کیا۔ اس تحریر سے معلوم ہوا کہ وہ پیشاب اور خون پینا بھی جائز سمجھتے ہیں حالانکہ ایک جاہل سے جاہل مسلمان بھی جانتا ہے کہ خون منہ کو لگانا از روئے قرآن حرام ہے۔ یہ تراشا آپ کو تلاش کرکے دیتا ہوں اس سے آپ خود اندازہ لگا لیجئے کہ یہ صاحب کس پائے کے عالم ہیں اس قسم

کی تقریریں اور تحریریں کاہنا کاچھا کی کسی مسجد میں تو مقبول ہوسکتی ہیں لیکن مسلمانوں کا کوئی ہوشمند طبقہ ان کو قبول نہیں کر سکتا۔ اس سطح کے مُلّا بے سروپا باتیں کرکے اپنی قدر و قیمت بڑھانے کی بے سود کوشش کرتے ہیں۔ امتِ مسلمہ میں تفرقہ پیدا کرنا انکی زندگی کا مقصود ہوتا ہے!

س ۔ روزنامہ نوائے وقت مورخہ ۱۱ جنوری ۱۹۹۰ء میں ایک خبر شائع ہوئی ہے۔ جس میں پرفیسر قادری صاحب کے ایک انٹرویو کا ذکر ہے جو انہوں نے ہفت روزہ "ندا" کو دیا ہے۔ اس خبر کا عنوان ہے "مودودی، غلام احمد پرویز اور ڈاکٹر اسرار احمد کا فکر خام اور تحریکیں ناکام ہیں" یہ اصحاب فکری انقلاب پیدا نہیں کر سکے ہیں آپ قادری صاحب کے اس بیان کو درست تسلیم کرتے ہیں؟

ج ۔ مودودی صاحب کے بعض نظریات سے مجھے اتفاق ہو نہ ہو لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان تینوں اصحاب کی کوششیں قابلِ قدر ہیں۔ فکری انقلاب فوراً ایک بھونچال کی طرح نہیں آیا کرتا۔ اس میں وقت لگتا ہے کیونکہ ہر قسم کے سنگِ راہ راستے سے ہٹانے پڑتے ہیں۔ جہاں تک طلوعِ اسلام کی تحریک کا تعلق ہے۔ پرویز مرحوم کی وفات کے بعد اس کی سرگرمیوں میں کمی واقع نہیں ہوئی بلکہ اضافہ ہوا ہے۔ پرویز مرحوم اور مودودی مرحوم بین الاقوامی شہرت کے مالک تھے اور ہیں۔ ان کے مقابلے میں قادری صاحب کو ابھی بہت کم لوگ جانتے ہیں وہ ابھی مشہور ہونے کی کوشش میں ہیں۔

س ۔ پروفیسر قادری صاحب نے ایک سیاسی جماعت بنائی؟ اور اس کی کامیابی کے لئے بہت پُرامید ہیں۔ آپ کا اس کے متعلق کیا خیال ہے؟

ج ۔ اس قسم کے جذباتی لوگ چند دنوں کے شور و شر کے بعد اوندھے مُنہ گرا کرتے ہیں۔ سیاسی میدان میں کوئی ٹکراؤ ہوگا تو ان کو آٹے دال کا بھاؤ معلوم ہو جائے گا۔ قرآن کریم کے بنیادی تصوّرات سے واقف کسی ہوش مند انسان کے ذہن میں بھی یہ بات نہیں آسکتی کہ پاکستان کی مرّوجہ پارٹی بازی کی سیاست کوئی نتیجہ پیدا کر سکتی ہے۔ پاکستان میں صرف قرآن کریم کا سیاسی نظام کامیاب ہو سکتا ہے یا دوسری صورت میں مغربی جمہوریت کا سیاسی نظام اس حد تک نتیجہ خیز ہوسکتا ہے جس حد تک یہ دنیا کے دیگر ممالک میں کامیاب ہے۔ لیکن یہاں مغرب کے سیکولر جمہوری نظام میں عملی طور پر حصہ دار بن کر اسلام اور قرآن کا نام لیتے جانا بہت بڑی منافقت ہے۔ اسلامی مشاورتی نظام مغرب کے جمہوری نظام سے قطعاً مختلف ہے۔ اسلام کے مشاورتی نظام میں اقتدارِ اعلیٰ، اللہ تعالےٰ کے قوانین کو حاصل ہے جو کہ صرف قرآن کریم کے اندر موجود ہیں جبکہ مغرب کے جمہوری نظام میں اقتدارِ اعلیٰ عوام کو حاصل ہوتا ہے جو کہ ایک غلط اور ناقابلِ عمل مفروضہ ہے۔

اور خود مغربی مفکرین اس سے بے زار ہیں۔ یہ جتنے مغربی جمہوریت کے دلدادہ پارٹی باز مذہبی پیشوا ہیں یہ از روئے قرآن شرک کے مرتکب ہو رہے ہیں (۳۰:۳۱-۳۲)۔ انتخاب کے حق میں ان حضرات اور ان کی پشت پر اخبار نویسوں کی دلیل یہ ہے کہ قائدِ اعظم مرحوم نے سیاسی جمہوری اور جماعتی انتخاب کی بنیاد پر پاکستان حاصل کیا؛ تھا اس لئے اس عمل کو جاری رکھنا ضروری ہے۔ لیکن نہ معلوم یہ لوگ اس حقیقت کو کیوں فراموش کر دیتے ہیں کہ پاکستان دو قومی نظریہ کی بنیاد پر معرض وجود میں آیا تھا۔ ہندوستان میں دو قومیں آباد تھیں۔ مسلم اور غیر مسلم۔ از روئے قرآن آئیڈیالوجی کی بنا پر روئے زمین کی کل آبادی دو قوموں میں تقسیم ہے۔ مومن اور کافر۔ مومن وہ جو قرآنِ کریم کے احکام، قوانین اور مستقل اقدار پر ایمان رکھتے ہیں اور کافر وہ جو ان پر ایمان نہیں رکھتے۔ چنانچہ ہندوستان میں دو قومیں آباد تھیں۔ مسلم اور غیر مسلم۔ ان میں سے مسلم قوم کے لئے قائدِ اعظمؒ نے ایک الگ خطۂ زمین حاصل کیا۔ اور اس قوم کا بڑا حصہ پاکستان میں آکر آباد ہوا۔ پاکستان میں جو مسلم قوم بستی ہے اس کی آئیڈیالوجی، قرآن کی آئیڈیالوجی ہے۔ اب یہ پارٹی باز مذہبی پیشوا اور سیاستدان مسلم قوم کو پھر مختلف پارٹیوں اور فرقوں میں تقسیم کر کے امتِ مسلمہ کی شیرازہ بندی کو پارہ پارہ کرنے کے درپے ہیں۔ قائدِ اعظم نے جو کچھ کیا تھا وہ مسلمانوں کو ہندوؤں سے الگ کرالیا تھا ——— اب یہاں صرف ایک قوم آباد ہے اب اس واحد قوم کو حصوں میں بانٹنا سراسر بے وقوفی اور قرآنِ کریم کے احکام کے خلاف ہے۔ ان پارٹی باز مذہبی پیشواؤں کا مقصد صرف خود غرضی اور چوہدراہٹ کا حصول ہے۔

س ۔ ڈاکٹر صاحب! یہ بھی سنا گیا ہے کہ پروفیسر طاہر القادری صاحب بعض اصطلاحات بھی پرویز صاحبؒ کی استعمال کرتے ہیں۔ کیا یہ درست ہے؟

ج ۔ میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ مجھے ان لوگوں کی تحریروں میں دلچسپی نہیں۔ ممکن ہے قادری صاحب ایسی اصطلاحات استعمال کرتے ہوں جو پرویز مرحوم کی مخصوص اصطلاحات تھیں لیکن یہ بات کسی ایک مولوی تک محدود نہیں۔ اکثر مولوی یہی کچھ کرتے دیکھے گئے ہیں۔ اس ضمن میں میں ایک لطیفہ بیان کرتا ہوں۔ ایک ہندو دال روٹی کی دکان چلاتا تھا۔ اس کی دال بڑی لذیذ ہوتی تھی اور ہندو گاہک بہت پسند کرتے تھے۔ وہ درحقیقت دال میں گوشت کی یخنی ڈال کر پکاتا تھا۔ ایک روز ایک گاہک کی پلیٹ میں دال کے اندر ایک ہڈی نظر آئی۔ گاہکوں نے بڑا شور و غل مچایا اور دکاندار کو تنبیہہ کی۔ چنانچہ اب اس نے سادہ دال پکانی شروع کر دی۔ دو تین روز بعد ایک گاہک آیا اور دکاندار کے کان میں کہنے لگا کہ بھائی مجھے تو وہ پہلے والی دال دے دیا کرو۔ اس کے بعد سب نے یکے بعد دیگرے اس کے کان میں

یہی کہنا شروع کردیا۔ اسی طرح یہ لوگ بھی کھینی والی دال کے خلاف شور بھی مچاتے رہتے ہیں اور اس کے سوا ان کے پاس کوئی دوسرا چارہ بھی نہیں۔

س ۔ طاہر القادری صاحب کہتے ہیں کہ پرویز صاحب اچھے خطیب اور مقرر نہیں تھے کیا یہ درست ہے؟

ج ۔ کاش کہ قادری صاحب نے پرویز مرحوم کی کوئی تقریر سنی ہوتی تو وہ ایسا ہرگز نہ کہتے۔ پرویز مرحوم کی ہر تقریر میں ایک ایسی چاشنی موجود تھی کہ سامعین سالہا سال تک ان کا درس سنتے ہوئے ہر مرتبہ ایک نئی لذت محسوس کرتے تھے۔ خاص طور پر جب وہ مقامِ محمدی بیان کرتے تھے یا سورۂ والنجم کی تفسیر بیان کرتے تھے تو شاید درخت بھی وجد میں آجاتے تھے۔ لوگ ان کی تقریر سننے کے اس حد تک دلدادہ ہیں کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کی تقریروں کے کیسٹ سننے کیلئے ہر ہفتہ طلوعِ اسلام ٹرسٹ حاضری دیتے ہیں۔ لیکن قادری صاحب کی تقریروں کا معیار دوسرا ہے۔ ان کا طرزِ تقریر سڑک کے کنارے مجمع لگا کر دوائی بیچنے والوں جیسا ہے۔ یہ لوگ ہمیشہ لوگوں کو تاکید کرتے رہے کہ دیکھنا پرویز کی تقریر سننے کیلئے مت جانا۔ کیونکہ وہ جانتے تھے کہ کوئی پرویز مرحوم کی تقریر سن کر اثر لئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

س ۔ قادری صاحب نے یہ بھی کہا ہے کہ مودودی مرحوم، پرویز مرحوم اور ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کی تحریکوں میں روحانیت موجود نہیں۔ یہ کس حد تک درست ہے؟

ج ۔ قادری صاحب کی روحانیت کے معیار کا اندازہ تو آپ اس تحریر سے لگا سکتے ہیں جو میں نے پیش کی ہے اسے روحانیت کی بجائے جذباتیت کہنا زیادہ درست ہے۔ درحقیقت قادری صاحب PARANOIA کے کیس معلوم ہوتے ہیں۔ پیرانایا ایک دماغی مرض ہے جس میں مریض کے ذہن میں EXALTEDNESS یا بڑائی پیدا ہو جاتی ہے وہ اپنے آپ کو ہر کسی سے اونچا سمجھتا ہے۔ میرے طالب علمی کے زمانے میں پاگل خانے میں ایک مریض ہوا کرتا تھا جو بڑی FLUENT تقریر کرتا تھا اور مسلسل گھنٹوں تک بولتا چلا جاتا تھا۔ لیکن اس کی تقریر کے دوران کوئی سوال کر بیٹھے تو بگڑ جاتا تھا اور گالیوں پر اتر آتا تھا۔ ایک اور اسی قسم کا پیرانایا کا مریض تھا۔ وہ طالب علموں کو لیکچر دینا شروع کر دیتا تھا اور کہتا تھا تم میری فوج ہو اور میں تمہارا کمانڈر ہوں۔ میری سپین کے بادشاہ کی لڑکی سے شادی ہونے والی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہی حال ان غیر سنجیدہ مذہبی پیشواؤں کا ہے۔ انکی روحانیت کا صحیح اندازہ ان کی بے تکی تحریروں سے لگتا ہے۔

س ۔ قادری صاحب کہتے ہیں کہ پرویز صاحب سے صرف وہ لوگ متاثر ہوئے جو سیکولر ذہن کے مالک تھے اور قریبًا قریبًا دہریے تھے ۔ یہ کہاں تک درست ہے ؟

ج ۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مروّجہ خیالات کی تائید میں پورا زور صرف کرتے ہیں اور اس طرح ذہنی طور پر پسماندہ لوگوں کا اپنے گرد حلقہ جمع کر لیتے ہیں اور کچھ دوسرے لوگ ہوتے ہیں جو عوام کی اصلاح کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ عوام اوّل الذکر کی طرف زیادہ مائل ہوتے ہیں گو یہ صورت عارضی ہوتی ہے ۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ہمارے رسولؐ جن کی ہم امت ہیں دنیا میں سب سے بڑے اصلاح کنندہ تھے ۔ یہ کہ پرویز مرحوم سے وہ لوگ زیادہ متاثر ہے جو قریبًا قریبًا دہریہ تھے ایک احمقانہ تخیل ہے ۔ اس کے لئے میں اللہ تعالےٰ کی ذات کے متعلق جو پرویز صاحب کا نظریہ تھا وہ پیش کرتا ہوں اس سے آپ اندازہ لگا لیں کہ قادری صاحب کا الزام کس قدر غلط ہے۔

"اللہ کے معنی ہیں ۔ الٰہ حقیقی، الٰہ واحد ۔ اللہ اسم ذات ہے ۔ الٰہ کے مادہ (ا ل ح) میں حسب ذیل معانی مضمر ہوتے ہیں (۱) گھبرا کر کسی کی پناہ ڈھونڈنا یا پناہ دینا (۲) متحیر ہونا (۳) بلند مرتبہ اور نگاہوں سے پوشیدہ ہونا (۴) کسی کی غلامی یا محکومیت اختیار کرنا یعنی کسی کا غلبہ اور اقتدار تسلیم اور قبول کرنا ۔ اس مفہوم کے اعتبار سے اللہ (یعنی قرآنی اِلٰہ) سے مراد وہ بلند و بالا ہستی ہے جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہے ، جس کی عظمتوں کے سامنے انسانی عقل و ادراک متحیر رہ جاتے ہیں جس کا اقتدار تمام کائنات پر چھایا ہوا ہے جس کی اطاعت اور محکومیت ضروری ہے یعنی اسے الٰہ تسلیم کرنے سے مراد یہ ہے کہ اس کی اطاعت و محکومیت اختیار کی جائے

ذاتِ خداوندی کی کنہ و حقیقت کے متعلق نہ ہم کچھ جان سکتے ہیں نہ بتا سکتے ہیں۔ وہ انسانی عقل و شعور اور فکر و ادراک کی حد سے ماوراء ہے لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ ۔ البتہ ہم اتنا ہی جانتے ہیں اس ذات کی صفات کیا ہیں اور یہ صفات بھی خود اسی کی بتائی ہوئی ہیں جو قرآن کے اندر مندرج اور مذکور ہیں ۔" (مطالب الفرقان جلد اوّل صہ ۹)

اب دیکھئے ان سطور سے جو میں نے اوپر پیش کی ہیں ۔ اللہ تعالےٰ کی ہستی سے انکار ہے یا اقرار؟ ان لوگوں کو دہریہ کہہ دینا یا کافر کہہ دینا جو اللہ کا نہ صرف اقرار کرتے ہوں بلکہ اللہ تعالےٰ کے ہر حکم کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہوں ان لوگوں کی شر انگیزی نہیں تو اور کیا ہے ؟

س ۔ طاہرالقادری صاحب یہ بھی کہتے ہیں کہ پرویز سے وہی لوگ متاثر ہوئے جو مذہب کے خلاف تھے کیا یہ درست ہے؟

ج ۔ جی ہاں یہ درست ہے۔ دروغ گو انسان کے مُنہ سے کبھی کبھی سچ بات بھی نکل آتی ہے، پرویز مرحوم سے متاثر ہونے والے لوگ مُلّا کے مذہب کے خلاف ہیں اور اسے باطل سمجھتے ہیں اور اللہ کے دین کو برحق سمجھتے ہیں جس کی تائید میں پورا قرآن بھرا پڑا ہے۔ (جاری ہے)

ایک اور شمع خاموش ہوگئی!

راولپنڈی بزم کے معروف رکن ملک ظہور احمد صاحب طویل علالت کے بعد ۱۳ جنوری ۱۹۹۰ء کو اللہ کو پیارے ہوگئے۔ مرحوم کہا کرتے تھے مجھے نہیں معلوم کہ میں کب سے اس فکر سے وابستہ ہوں، ہوش سنبھالا تو قرآنی فکر میرے سامنے تھی اور تمنا ہے کہ مرتے دم تک اسی سے متمسک رہوں۔

آڈیو کیسٹوں سے باباجیؒ کے قرآنی دروس کو ضبطِ تحریر میں لانے کا کام مرحوم نے اپنے ذمہ لے رکھا تھا جسے وہ اٹھارہویں پارہ تک مکمل کر چکے تھے۔ مرحوم کی انہی تحریروں کی بنیاد پر —— مطالب الفرقان کی چھ جلدیں قارئینِ طلوعِ اسلام تک پہنچ چکی ہیں۔ ساتویں زیرِ طبع اور مزید تیاری کے مراحل میں ہیں۔

مرحوم کی ذاتِ گرامی نہ صرف ادارہ طلوعِ اسلام کے لئے سرمایہ تھی بلکہ وہ اپنے اہلِ خاندان کے لئے بھی روشنی کا مینار تھے

ہماری دعا ہے کہ اللہ مرحوم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ دے اور پسماندگان کو صبرِ جمیل عطا کرے!

حقائق وعبر

۲۔ پرویز صاحب کیلئے علماء کا خراجِ تحسین

بریلوی فرقے کے علماء کا ایک دارالعلوم جامعہ نعیمیہ کے نام سے قائم ہے۔ اس دارالعلوم کی جانب سے ماہنامہ عرفات لاہور سے شائع ہوتا ہے۔ اس ماہنامہ کی نومبر اور دسمبر ۱۹۸۹ء کی اشاعت، لاہور کے مفسرین اور مترجمینِ قرآن مجید کیلئے وقف ہے۔ اس میں پرویز صاحب کا تعارف بطور مفسّرِ قرآن ان الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

غلام احمد پرویز (جن کی مشہور کتابیں) مطالب الفرقان، مفہوم القرآن، تبویب القرآن، لغات القرآن (ہیں اپنے بارے میں) خود لکھتے ہیں کہ "میری پیدائش ۹ رجولائی ۱۹۰۳ء کو بٹالہ ضلع گورداسپور میں ہوئی۔ دادا حکیم مولوی رحیم بخش حنفی مسلک کے ایک جیّد عالم، چشتیہ نظامیہ خالوادۂ طریقت کے ممتاز اہلِ نظر تھے۔ ابتدائی تعلیم انہی کی سرپرستی میں ہوئی اور پھر بسلسلۂ ملازمت لاہور آگیا۔ اور قرآن مجید سمجھنے کی کوشش کی اور اس میں مصروف و منہمک ہوگیا۔" آپ گورنمنٹ آف انڈیا کے مرکزی دفتر میں ملازم تھے۔ قیامِ پاکستان پر یہ دفتر کراچی میں منتقل ہوگیا ۱۹۵۵ء میں ملازمت سے سبکدوش ہوئے۔ کانسٹیٹیوشن آف پاکستان ۱۹۵۶ء کے زیرِ تحت ممبر اسلامک لاء کمیشن بھی ہوئے۔ صدر قرآنک ایجوکیشن سوسائٹی لاہور بھی رہے۔ یہ دفتر ۲۵۔بی گلبرگ II لاہور میں واقع ہے انہوں نے "فکرِ قرآنی کا ۵۰ سالہ جشن" نومبر ۱۹۷۸ء میں منایا۔

رسالہ "طلوعِ اسلام" بھی آپ کی زیرِ ادارت نکلتا تھا "مجلہ علم وآگہی"، خصوصی شمارہ جلد دوم ۷۵-۱۹۷۴ء گورنمنٹ نیشنل کالج کراچی میں لکھا ہے کہ یہ رسالہ قائداعظم محمد علی جناح کے ایماء پر اپریل ۱۹۳۵ء میں نکلنا شروع ہوا تھا۔ پھر یہ رسالہ لاہور سے بھی شائع ہوتا رہا۔ قرآن مجید پر غور و فکر اور سمجھنے کے لئے آپ نے کئی ایک کتابیں بھی تحریر کیں۔

<u>مطالب الفرقان</u> مصنف لکھتا ہے کہ میں نے قرآنِ مجید کی تفسیر خود قرآن مجید سے کی ہے۔

جلد اوّل صفحہ ۱تا ۔ ۳۶ پر مشتمل ہے۔ اور سورۂ بقرہ پر ختم ہوتی ہے۔ ابتدا میں آئینۂ مطالب۔ آغازِ سخن دیا گیا لاہور سے ۱۹۷۵ء میں شائع ہوئی۔ جلد دوم ۔ ۱ تا ۴۵۲ صفحات پر مشتمل ہے اور سورۂ بقرہ پر ہی اختتام پذیر ہوتی ہے۔ ۱۹۷۶ء میں شائع ہوئی۔ جلد سوم۔ ۵۳۲ صفحات پر مشتمل یہ جلد بھی سورہ بقرہ پر ہی ختم ہوتی ہے۔ آخر میں انڈکس دیا گیا ہے۔ ۱۹۷۹ء میں شائع ہوئی۔

مفہوم القرآن : یہ کتاب ۱۵۰۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ الحمد سے والناس تک مسلسل اپنے خیال کے مطابق قرآن مجید کے سمجھنے اور سمجھانے کا بالکل نیا انداز اختیار کیا ہے۔ جلد اوّل پارہ اوّل تا دس صفحات ۴۷۳۔ جولائی ۱۹۶۱ء میں اشاعت پذیر ہوئی۔ جلد دوم پارہ ۱۱ تا بیس صفحات ۹۲۰۔ جلد سوم پارہ ۲۱ تا ۳۰۔ صفحات ۱۵۰۲۔ اکتوبر ۱۹۶۱ء میں شائع ہوئی۔

تبویب القرآن : جلد اوّل صفحات ۱تا ۵۴۰۔ ستمبر ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔ یہ حروف تہجی کے لحاظ سے ایک انڈکس ہے۔ جلد دوم صفحات ۵۴۱ تا ۹۹۸۔ ستمبر ۱۹۷۷ء میں شائع ہوئی۔ جلد سوم۔ ۱۴۳۸ صفحات پر اختتام پذیر ہوتی ہے۔ ستمبر ۱۹۷۷ء میں ادارہ طلوعِ اسلام گلبرگ لاہور نے شائع کی۔

لغات القرآن : چار جلدوں پر مشتمل ہے۔

دیگر تصانیف میں نظامِ ربوبیت، قرآنی قوانین، ابلیس و آدم۔ جوئے نور۔ شعلہ مستور۔ جہانِ فردا کتاب التقدیر۔ معراجِ انسانیت۔ شاہکارِ رسالت۔ اقبال اور قرآن۔ انسان نے کیا سوچا؟ مذاہبِ عالم کی آسمانی کتابیں۔ اسبابِ زوالِ امّت۔ قائدِ اعظم اور طلوعِ اسلام۔ سلسبیل۔ فردوسِ گم گشتہ۔ ختمِ نبوت اور تحریکِ احمدیت۔ سلیم کے نام خطوط۔ طاہرہ کے نام خطوط۔ مقامِ حدیث اسلامی معاشرت۔ قرآنی فیصلے (یکم تا چہارم) جہاد۔ عربی خود سیکھیے۔ پاکستان کا معمارِ اوّل۔ منزل بہ منزل۔ قتلِ مرتد۔ عالمگیر افسانے۔ پرنسپل آف لا میکنگ ان اسلام۔ اسلام اے چیلنج ٹو ریلیجین۔

علمائے پاکستان کی اکثریت اس کے مذہبی عقائد کے مطابق اس کے مخالف ہے اور مخالفت میں کئی ایک کتب بھی شائع ہو چکی ہیں اور ان کو منکرِ حدیث سمجھا جاتا ہے۔

غلام احمد پرویز قائدِ اعظم محمد علی جناح۔ تحریکِ پاکستان اور حضرت علامہ اقبال پر ایک اتھارٹی تھا۔ غلام احمد پرویز پر مانٹریال یونیورسٹی (کینیڈا) میں ایک طالب علم نے ——— مولانا سعید احمد اکبر آبادی کی زیرِ نگرانی پی ایچ ڈی کا مقالہ تحریر کیا تھا۔

وفات ۲۴ فروری ۱۹۸۵ء میں ہوئی۔ اس وقت ان کی عمر ۸۲ سال کی تھی۔"
ہمارے نزدیک مضمون نگار کی تحقیقی کاوش اور مدیرِ اعلیٰ کی فراخدلی قابلِ ستائش ہے۔ ہمیں امید ہے اس حسین روایت کو آئندہ بھی قائم رکھا جائے گا۔ (طلوعِ اسلام)

۳- فرقہ اہلحدیث کی جانب سے جماعت اسلامی پر منافقت کا الزام

فرقہ اہلِ حدیث کی جانب سے جماعت اسلامی پر کتاب و سنّت سے منافقت کے بارے میں جو الزام لگایا گیا ہے اور جو فرقہ اہلِ حدیث کے تمام اخبارات و رسائل میں چھپ چکا ہے۔ ہم اسے فرقہ اہل حدیث کے سنجیدہ اخبار ہفت روزہ الاعتصام سے نقل کرتے ہیں:

جماعت اسلامی

بلاشبہ جماعتِ اسلامی پاکستان بھی گزشتہ کچھ برسوں سے پاکستان میں کتاب و سنّت کے نفاذ کی بات کر رہی ہے۔ مگر اس کے ساتھ ہی جماعت اسلامی کے مرکزی قائدین کے بیانات کی روشنی میں اس بات کو باور کرنا مشکل رہا ہے کہ جماعت اسلامی کے ہاں قرآن و سنّت سے مراد بھی قرآن وسنّت ہی ہے۔

جماعت اسلامی کے قائدین کے بیانات سے ہمیشہ یہی بات سمجھ میں آتی رہی ہے کہ جماعت اسلامی نے کتاب و سنّت کے الفاظ کو محض ایک پُرکشش نعرہ کے بطور ہی اختیار کر رکھا ہے۔ ورنہ کتاب و سنّت کا نفاذ دراصل اس کے پیشِ نظر نہیں ہے بلکہ وہ کتاب وسنّت کے نام سے مسلمانوں کے بہت سے فرقوں میں سے ایک خاص فرقہ کی فقہ کو نافذ کرنا چاہتی ہے۔

اور کتاب و سنّت کے الفاظ کی تکرار میں یہ مصلحت کارفرما ہے کہ جماعت کے بہت سے کارکن متفقین اور ارکان ایسے بھی ہیں، جو مسلک کے اعتبار سے تو اہلحدیث ہیں مگر جماعت اسلامی کی تنظیمی شوکت کے زیرِ اثر جماعت کے ساتھی بن چکے ہیں اور جماعت کی قیادت یہ نہیں چاہتی کہ اپنے دل کی بات زبان پر لا کر ان کو مایوس کرے اور ان کے بدک جانے یا جماعت سے الگ ہو جانے کا سامان خود اپنے ہاتھوں ہی جمع کرے۔

(ہفت روزہ الاعتصام لاہور ۲۲ دسمبر ۱۹۸۹ء ص۱۵)

دیکھئے اس تحریر کے ذریعے فرقہ اہلحدیث کے علماء یہ ثابت کرتے ہیں کہ جماعت اسلامی اسلام کے بارے میں کبھی مخلص نہیں رہی۔ وہ کتاب و سنّت کا نام لوگوں کو دھوکا دینے کیلئے لیتی ہے!

قرآنی تعلیم بچوں کیلئے

قاسم نوری

ایمان

محترم بچو! اب تک آپ نے "اللہ"، رسول، فرشتے، انسان، کتاب اور اللہ کی آخری کتاب (قرآنِ کریم) کے بارے میں پڑھا اور خود قرآن نے ان سب کا تعارف جس طرح کرایا ہے اسے سمجھا۔ ہمیں خوشی ہے کہ طلوعِ اسلام میں مخصوص کئے گئے اپنے صفحات کے ذریعہ سے آپ سب بچے جس بھرپور لگن، توجہ اور انہماک سے اسلام اور قرآن کی بنیادی تعلیم حاصل کر رہے ہیں اور ہمیں ٹیلیفون اور خطوں کے ذریعہ سے آگاہ فرماتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ آپ ہی بچے بڑے ہو کر اسلامی انقلاب لائیں گے اور جو کام آپ کے بڑے نہیں کر سکے وہ آپ کر دکھائیں گے۔

تو بچو "اللہ کی آخری کتاب" کا مقصد سمجھ لینے کے بعد اب یہ جاننا اور سمجھنا ہے کہ 'ایمان' کسے کہتے ہیں اور قرآنِ کریم پر 'ایمان' کس طرح لایا جاتا ہے یا کس طرح لایا جانا چاہیئے۔

اسے سیدھے سادے لفظوں میں یوں سمجھ لو کہ کسی بھی بات کی سچائی کو دل سے یعنی پورے اطمینان کے ساتھ تسلیم کرنے یا ماننے کو 'ایمان' کہتے ہیں — یقین کرنے، اعتماد اور بھروسا کرنے کو بھی ایمان کہتے ہیں اور اطاعت کرنے کو بھی 'ایمان' کہا جاتا ہے — آپ کو معلوم ہے نا

کہ زیادہ تر ہماری کوشش یہی ہوتی ہے کہ ہر "عنوان" کی کہانی قرآنِ کریم کی زبانی آپ کو سنائیں۔ چنانچہ آج بھی کوشش کریں گے کہ 'ایمان' کے بارے میں جو کچھ بتائیں وہ قرآنی تعلیم کے عین مطابق ہو ــــ تو 'ایمان' کے عام معنی تو وہی ہیں۔ تسلیم کرنا۔ 'ماننا' اطاعت کرنا وغیرہ لیکن قرآنی مفہوم کے مطابق یہ معنی نامکمل ہیں ــ قرآن صرف مان لینے' تسلیم کر لینے یا اطاعت کرنے کو 'اندھا یقین' کہتا ہے۔ قرآن کے نزدیک 'ایمان' کے معنی ہوتے ہیں۔ عقل، علم اور غور و فکر کے بعد کسی بات پر پہنچنا اور پھر اس کی سچائی کو دل سے تسلیم کرنا ــــ یہ لفظ عبرانی زبان کا ہے اور عبرانی زبان میں اس لفظ کے معنی ایسے "یقین" کے ہیں جن میں کبھی بھی اور کسی بھی طرح کا کوئی شک ہو ہی نہ سکے۔

اچھا بچّو! آپ نے نوٹ یا سِکّہ (COIN) تو ضرور دیکھا ہے۔ یہ اگر ایک طرف سے سادہ یا خالی ہو تو بیکار ہوتا ہے نا؟ بھئی کسی کام ہی نہیں آسکتا۔ اس سے تو ایک چنے کا دانہ بھی نہیں خریدا جا سکتا خواہ وہ نوٹ ایک ہزار روپے کا کیوں نہ ہو۔ اسی طرح 'ایمان' کے بھی دوٗ رُخ ہوتے ہیں جس طرح سکّے کے دو رُخ ہوتے ہیں یا نوٹ کے دو رُخ ہوتے ہیں۔

اب اگر کوئی ایمان کے ایک رُخ یا ایک حصّہ پر یقین کرے یعنی ایمان لائے اور دوسرے حصّہ کو نہ مانے یا زبان سے تو مانے لیکن دل سے تسلیم نہ کرے تو بھئی خواہ وہ کچھ بھی کر لے، اس کا ایمان مکمّل نہیں ہوگا اور کوئی نتیجہ پیدا نہیں کرے گا ــــ تو بھئی یہ بات بہت بہت اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ ایمان کے سکّہ کے دونوں رُخ کیا ہوتے ہیں ــــــ ایمان کا پہلا رخ تو

سامنے کی چیزوں پر یعنی ہماری زندگی سے متعلق جتنی بھی چیزیں ہیں اُن پر دِل سے یقین کرنا ہوتا ہے۔ مثلاً ایسی چیزیں جنہیں ہم دیکھ سکتے ہیں، چھو سکتے ہیں، محسوس کر سکتے ہیں۔ جیسے سردی ہے، گرمی ہے، ہَوا ہے، آگ ہے، پانی ہے، جسم ہے دن رات ہیں۔ زمین آسمان ہیں۔ زندگی اور موت ہے۔ ان سب چیزوں پر یقین کرنا۔ ایمان کی پہلی قسم یا پہلا رُخ کہلائے گا ـــــ اور اس رُخ پر دنیا کا ہر انسان خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم سبھی یقین رکھتے ہیں ـــــ لیکن دوسری قسم یا رُخ وہ ہے جس پر ایمان لانے اور نہ لانے سے ایک انسان مومن یا کافر بنتا ہے اور وہ قسم ہے ایسی بات پر ایمان لانا اور ایسی صداقت یا حقیقت کو تسلیم کرنا جسے ہم نہ دیکھ سکتے ہیں نہ چھو سکتے ہیں اور نہ محسوس کر سکتے ہیں۔ چونکہ اس پر ایمان لانے کا حکم اللہ اور اس کے رسولوں نے دیا ہے لہٰذا اسے بھی دِل کی گہرائیوں سے ماننا اور اس پر یقین کرنا، ایمان کہلاتا ہے۔ ایسے ایمان کو "غیب پر ایمان لانا" کہتے ہیں ـــــ 'غیب' کے معنی ہوتے ہیں " وہ جو نظر سے اوجھل ہو "

بھئی یہ ذرا مشکل سی بات ہو گئی۔ اچھا اسے اس طرح سمجھو کہ اگر کوئی آپ کو کھانے کے لئے کوئی چیز دے اور کہے کہ اس کے کھانے سے تم صحت مند ہو جاؤ گے۔ خوبصورت ہو جاؤ گے' یا کوئی ایسا ہنر یا کتاب بتائے اور کہے کہ اس کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے سے تم زمین کے نیچے کی باتیں یا آسمان کی باتیں جان جاؤ گے یا دولت مند بن جاؤ گے ـــــ اور آپ اس پر 'یقین'

کرلیں اور سچے دِل سے عمل کرنے لگیں یعنی یہ جانے بغیر کہ واقعی ایسا ہوگا بھی یا نہیں — دِل سے مان لیں کہ واقعی ایسا ہی ہوگا جیسا بتایا گیا ہے — اس طرح کے یقین کو غیب پر ایمان لانا کہتے ہیں۔

تو بچو! بات یوں بنی کہ ایمان کے دو حصے یا رُخ ہوتے ہیں ایک ان باتوں پر 'یقین' کرنا جو ہم دیکھ سکتے ہیں اور محسوس کرسکتے ہیں اور دوسرے ان باتوں پر 'یقین' کرنا جو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں اور جن کے متعلق ہم کچھ بھی نہیں جانتے لیکن جن پر ایمان لانے اور یقین کرنے کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ اور وہ ہے مرنے کے بعد کی زندگی جسے آخرت یا عقبیٰ بھی کہتے ہیں۔ اور اسی کو اگلی یا دوسری دنیا بھی کہا جاتا ہے۔

اچھا بچو! یہ آخرت کی زندگی کیا ہوتی ہے جس پر "ایمان" لانے کا حکم دیا گیا ہے؟ بس یہ اور سمجھ لو تو بات مکمل ہو جائے گی۔

ایک تو زندگی یہ ہے جو اس وقت ہم سب کے سامنے ہے اور جب انسان مر جاتا ہے تو بظاہر یہ ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ نہیں ایسا نہیں ہوتا۔ زندگی تو کبھی ختم نہیں ہوتی۔ صرف جسم مرتا ہے اور جسم کے اندر جو "ذات یا زندگی" ہوتی ہے وہ باقی رہتی ہے اور دوسری دنیا یا آخرت کا سفر شروع کر دیتی ہے — بھئی یوں سمجھ میں نہیں آئے گا — ایک مثال سے سمجھاتے ہیں۔

آپ سب نے بجلی کا بلب تو دیکھا ہی ہے نا؟ ہر گھر میں جلتا ہے۔ لیکن بھئی یہ خود تھوڑا ہی جلتا ہے — اس میں کرنٹ آرہا ہوتا ہے — اور اگر کبھی بلب فیوز ہو جائے، ٹوٹ جائے تو فیوز تو بلب ہی

ہوتا ہے نا؟ کرنٹ تو مرتا ہی نہیں فیوز ہی نہیں ہوتا ۔۔۔۔ وہ تو باقی یعنی زندہ ہی رہتا ہے۔ بس یہ جو ہمارا جسم ہے نا یہ بھی بلب کی طرح ہوتا ہے اور جو چیز یا کرنٹ اس کو زندہ رکھے ہوئے ہوتی ہے اسے "ذات" کہتے ہیں۔

تو بچو ہزاروں لاکھوں رسول اس دنیا میں آئے اور سب نے یہی سمجھانے اور بتانے کا فرض ادا کیا کہ جسم کی حفاظت دنیا کے لئے ہے جیسے بھئی بلب کی حفاظت ظاہری روشنی کے لئے ضروری ہوتی ہے لیکن "ذات" کی حفاظت آخرت کے لئے ہے ۔۔۔ اور ذات پر توجہ اس لئے زیادہ دینی چاہیئے کہ آخرت میں موت تو کبھی آئے گی نہیں وہاں تو سب کو ہمیشہ ہمیشہ رہنا ہوگا اس لئے ذات کو مضبوط بناؤ۔ اور اس کی تفصیل یہ بتائی کہ انسان جو کچھ کرتا ہے۔ سوچتا ہے ۔۔۔ تو جس لمحے وہ عمل کرتا یا سوچتا ہے نا۔ اسی وقت سے اُس کی سوچ اور عمل کا نتیجہ پیدا ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ اور خواہ انسان کچھ بھی کر ڈالے وہ اس نتیجہ سے بچ نہیں سکتا اگر جیتے جی نہ مل سکا تو مرنے سے نتیجہ رُک نہیں جائے گا بلکہ مرنے کے بعد سامنے آجائے گا۔ اس کو "مکافاتِ عمل" کہتے ہیں۔ یعنی اچھے کاموں کا اچھا نتیجہ اور بُرے کاموں کا بُرا نتیجہ ۔۔۔

جناب مجھے معلوم ہے آپ بچے کیا سوچ رہے ہیں؟ یہی نا کہ ہم نے چپکے سے کوئی بات سوچی یا کوئی ایسا کام کیا جو کسی نے بھی نہیں دیکھا تو بھلا اس کا نتیجہ اس لمحے سے کیسے پیدا ہونا شروع ہو جائے گا؟ اسے یوں سمجھ لو کہ اگر کوئی بیج زمین میں بویا جائے تو اسے تو کوئی بھی دیکھنے

والا نہیں ہوتا لیکن وہ اندر ہی اندر بڑھنے لگتا ہے اور ہمیں اس وقت پتہ چلتا ہے جب وہ زمین کا سینہ چیر کر باہر اُبھر آتا ہے ـــــ اسے "مکافاتِ عمل" کہا جاتا ہے ـــــ ہم سمجھتے ہیں ہم نے جو سوچا یا عمل کیا چونکہ وہ کسی نے نہیں دیکھا لہٰذا اس کا نتیجہ بھی کوئی برآمد نہیں ہوگا لیکن ہم بھول جاتے ہیں کہ اللہ نے "مکافاتِ عمل" کا ایک قانون بنا رکھا ہے اور اور ساری کائنات میں وہ قانون جاری ہے۔ جب ہم اپنی سوچ یا عمل کا بیج بوتے ہیں، تو بظاہر وہ نظر نہیں آرہا ہوتا مگر اپنا نتیجہ مرتب کر رہا ہوتا ہے اور جب ظاہر ہونے کا وقت آتا ہے تو حالات کا سینہ چیر کر باہر آجاتا ہے۔ اچھے عمل کا اچھا نتیجہ، بُرے عمل کا بُرا نتیجہ۔ اور جب نتیجہ سامنے آجائے تو پھر تو کچھ ہو ہی نہیں سکتا۔ جیسے رزلٹ آوٹ ہوجانے کے بعد کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ بس یا تو طالب علم پاس ہوتا ہے یا فیل ہوجاتا ہے۔ پھر نہ توبہ کام آتی ہے نہ دعا اور نہ سفارش۔

تو اس حقیقت پر دِل کی گہرائی سے یقین کرنا مکمّل ایمان کہلاتا ہے۔

(قاسم نوری)

RIGHTS OF WOMEN IN ISLAM"
BY
PROF: RAFI-UL-LAH SHEHAB

NOW AVAILABLE FROM THE SALE DEPOT
OF TOLU-E-ISLAM TRUST, 25-B, GULBERG-2,
LAHORE - PAKISTAN.

ایک نظر اسے بھی دیکھ لیجئے !!

آپ کا خریداری نمبر جو ایڈریس کے ریپر پر درج ہے اور دسمبر ۱۹۹۰ء تک آپ کے ذمے واجب الادا رقم لکھ دی گئی ہے۔ آپ کا پرچہ اتنے بڑے بوجھ کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ براہِ کرم زرِ شرکت جتنی جلد ممکن ہو بذریعہ چیک۔ منی آرڈر۔ بینک ڈرافٹ بھجوا دیجئے۔ شکریہ!

ایڈیٹر طلوعِ اسلام

CODE	AMOUNT	S0064	Rs. 85	S0129	Rs. 60	S0206	Rs. 55	S0257	Rs. 60	S0316	Rs. 60		
		S0065	Rs. 60	S0130	Rs. 15	S0208	Rs. 90	S0258	Rs. 60	S0317	Rs. 20		
S0001	Rs. 50	S0071	Rs. 15	S0133	Rs. 60	S0209	Rs. 85	S0260	Rs. 5	S0320	Rs. 60		
S0005	Rs. 50	S0072	Rs. 40	S0138	Rs. 45	S0210	Rs. 45	S0263	Rs. 60	S0322	Rs. 60		
S0008	Rs. 50	S0075	Rs. 60	S0139	Rs. 60	S0212	Rs. 30	S0264	Rs. 50	S0323	Rs. 60		
S0009	Rs. 65	S0077	Rs. 85	S0146	Rs. 60	S0213	Rs. 30	S0266	Rs. 60	S0324	Rs. 90		
S0011	Rs. 50	S0078	Rs. 50	S0148	Rs. 60	S0214	Rs. 60	S0267	Rs. 50	S0325	Rs. 60		
S0012	Rs. 60	S0079	Rs. 80	S0150	Rs. 60	S0215	Rs. 55	S0276	Rs. 65	S0327	Rs. 60		
S0017	Rs. 60	S0080	Rs. 80	S0154	Rs. 90	S0216	Rs. 75	S0277	Rs. 60	S0328	Rs. 60		
S0018	Rs. 50	S0082	Rs. 60	S0155	Rs. 25	S0217	Rs. 50	S0278	Rs. 20	S0329	Rs. 15		
S0019	Rs. 70	S0083	Rs. 75	S0156	Rs. 60	S0219	Rs. 55	S0279	Rs. 85	S0330	Rs. 60		
S0022	Rs. 60	S0084	Rs. 60	S0157	Rs. 60	S0221	Rs. 50	S0280	Rs. 90	S0332	Rs. 45		
S0029	Rs. 60	S0092	Rs. 70	S0158	Rs. 60	S0222	Rs. 45	S0281	Rs. 80	S0333	Rs. 25		
S0030	Rs. 60	S0095	Rs. 65	S0160	Rs. 85	S0223	Rs. 60	S0282	Rs. 45	S0334	Rs. 60		
S0031	Rs. 45	S0097	Rs. 60	S0163	Rs. 60	S0224	Rs. 60	S0284	Rs. 75	S0336	Rs. 80		
S0032	Rs. 50	S0098	Rs. 60	S0164	Rs. 80	S0225	Rs. 60	S0285	Rs. 90	S0337	Rs. 60		
S0034	Rs. 50	S0099	Rs. 70	S0166	Rs. 45	S0229	Rs. 70	S0286	Rs. 60	S0339	Rs. 75		
S0035	Rs. 60	S0102	Rs. 60	S0167	Rs. 75	S0230	Rs. 60	S0287	Rs. 85	S0340	Rs. 60		
S0036	Rs. 85	S0103	Rs. 75	S0169	Rs. 90	S0232	Rs. 60	S0288	Rs. 85	S0341	Rs. 60		
S0039	Rs. 50	S0104	Rs. 85	S0172	Rs. 60	S0234	Rs. 80	S0289	Rs. 25	S0344	Rs. 75		
S0040	Rs. 80	S0105	Rs. 90	S0173	Rs. 60	S0236	Rs. 60	S0290	Rs. 65	S0345	Rs. 55		
S0041	Rs. 60	S0106	Rs. 60	S0177	Rs. 70	S0238	Rs. 50	S0291	Rs. 45	S0346	Rs. 60		
S0044	Rs. 50	S0109	Rs. 75	S0178	Rs. 30	S0239	Rs. 75	S0292	Rs. 60	S0348	Rs. 75		
S0047	Rs. 75	S0110	Rs. 60	S0179	Rs. 85	S0243	Rs. 65	S0294	Rs. 60	S0349	Rs. 55		
S0049	Rs. 60	S0111	Rs. 85	S0181	Rs. 70	S0244	Rs. 60	S0296	Rs. 65	S0350	Rs. 60		
S0050	Rs. 50	S0112	Rs. 60	S0182	Rs. 70	S0245	Rs. 60	S0298	Rs. 60	S0354	Rs. 85		
S0051	Rs. 50	S0113	Rs. 60	S0183	Rs. 60	S0246	Rs. 65	S0300	Rs. 35	S0355	Rs. 60		
S0052	Rs. 55	S0115	Rs. 60	S0185	Rs. 50	S0248	Rs. 75	S0301	Rs. 55	S0357	Rs. 80		
S0053	Rs. 20	S0116	Rs. 55	S0190	Rs. 65	S0249	Rs. 55	S0302	Rs. 85	S0359	Rs. 60		
S0055	Rs. 50	S0118	Rs. 45	S0199	Rs. 70	S0251	Rs. 60	S0303	Rs. 70	S0360	Rs. 25		
S0058	Rs. 50	S0120	Rs. 60	S0200	Rs. 60	S0252	Rs. 40	S0304	Rs. 45	S0362	Rs. 20		
S0059	Rs. 60	S0123	Rs. 90	S0201	Rs. 60	S0253	Rs. 65	S0305	Rs. 65	S0363	Rs. 65		
S0060	Rs. 30	S0124	Rs. 65	S0202	Rs. 55	S0254	Rs. 80	S0310	Rs. 10	S0367	Rs. 60		
S0062	Rs. 60	S0125	Rs. 50	S0204	Rs. 45	S0255	Rs. 35	S0311	Rs. 60	S0368	Rs. 60		
S0063	Rs. 65	S0126	Rs. 70	S0205	Rs. 60	S0256	Rs. 60	S0315	Rs. 60	S0369	Rs. 60		

S0371 Rs. 60
S0372 Rs. 30
S0373 Rs. 30
S0374 Rs. 25
S0375 Rs. 60
S0376 Rs. 60
S0380 Rs. 60
S0381 Rs. 55
S0382 Rs. 50
S0383 Rs. 50
S0384 Rs. 50
S0389 Rs. 60
S0390 Rs. 80
S0392 Rs. 60
S0393 Rs. 60
S0395 Rs. 60
S0396 Rs. 60
S0397 Rs. 60
S0398 Rs. 60
S0399 Rs. 60
S0400 Rs. 50
S0401 Rs. 60
S0405 Rs. 50
S0406 Rs. 65
S0407 Rs. 80
S0409 Rs. 80
S0410 Rs. 80
S0414 Rs. 15
S0415 Rs. 20
S0416 Rs. 60
S0417 Rs. 80
S0418 Rs. 75
S0421 Rs. 60
S0422 Rs. 60
S0423 Rs. 60
S0424 Rs. 60
S0425 Rs. 60
S0426 Rs. 60
S0427 Rs. 70
S0428 Rs. 60
S0431 Rs. 40
S0433 Rs. 50
S0434 Rs. 10
S0437 Rs. 60
S0439 Rs. 60
S0440 Rs. 60

S0441 Rs. 75
S0443 Rs. 60
S0445 Rs. 60
S0446 Rs. 75
S0447 Rs. 15
S0448 Rs. 60
S0451 Rs. 75
S0452 Rs. 60
S0453 Rs. 55
S0459 Rs. 75
S0460 Rs. 60
S0461 Rs. 60
S0462 Rs. 60
S0463 Rs. 75
S0464 Rs. 60
S0465 Rs. 70
S0466 Rs. 70
S0467 Rs. 80
S0468 Rs. 80
S0470 Rs. 75
S0472 Rs. 70
S0475 Rs. 60
S0480 Rs. 60
S0481 Rs. 60
S0485 Rs. 80
S0487 Rs. 15
S0488 Rs. 75
S0489 Rs. 75
S0490 Rs. 70
S0491 Rs. 60
S0492 Rs. 45
S0497 Rs. 60
S0498 Rs. 60
S0500 Rs. 35
S0501 Rs. 60
S0502 Rs. 60
S0503 Rs. 50
S0505 Rs. 80
S0506 Rs. 55
S0516 Rs. 65
S0517 Rs. 65
S0518 Rs. 65
S0519 Rs. 65
S0520 Rs. 65
S0522 Rs. 60
S0525 Rs. 60

S0526 Rs. 60
S0527 Rs. 60
S0531 Rs. 60
S0532 Rs. 60
S0535 Rs. 60
S0537 Rs. 60
S0536 Rs. 60
S0539 Rs. 60
S0541 Rs. 30
S0542 Rs. 35
S0543 Rs. 80
S0544 Rs. 70
S0545 Rs. 60
S0549 Rs. 60
S0550 Rs. 60
S0551 Rs. 60
S0552 Rs. 60
S0553 Rs. 60
S0554 Rs. 60
S0557 Rs. 60
S0558 Rs. 60
S0560 Rs. 60
S0561 Rs. 60
S0562 Rs. 30
S0563 Rs. 30
S0564 Rs. 60
S0565 Rs. 30
S0566 Rs. 60
S0567 Rs. 25
S0568 Rs. 30
S0574 Rs. 60
S0576 Rs. 25
S0577 Rs. 5
S0583 Rs. 60
S0585 Rs. 60
S0586 Rs. 60
S0587 Rs. 60
S0588 Rs. 60
S0591 Rs. 60
S0592 Rs. 60
S0594 Rs. 60
S0595 Rs. 60
S0596 Rs. 60
S0597 Rs. 50
S0598 Rs. 60

S0599 Rs. 50
S0600 Rs. 50
S0604 Rs. 35
S0605 Rs. 35
S0606 Rs. 35
S0607 Rs. 35
S0608 Rs. 35
S0609 Rs. 35
S0610 Rs. 35
S0611 Rs. 35
S0612 Rs. 35
S0613 Rs. 35
S0620 Rs. 15
S0621 Rs. 45
S0623 Rs. 60
S0627 Rs. 25
S0628 Rs. 60
S0631 Rs. 60
S0632 Rs. 15
S0639 Rs. 55
S0640 Rs. 15
S0641 Rs. 15
S0643 Rs. 45
S0645 Rs. 60
S0646 Rs. 90
S0647 Rs. 70
S0650 Rs. 60
S0652 Rs. 25
S0653 Rs. 60
S0654 Rs. 60
S0655 Rs. 60
S0656 Rs. 5
S0657 Rs. 65
S0658 Rs. 60
S0659 Rs. 60
S0660 Rs. 60
S0662 Rs. 60
S0668 Rs. 60
S0669 Rs. 60
S0671 Rs. 70
S0672 Rs. 60
S0674 Rs. 60
S0675 Rs. 60
S0682 Rs. 60
S0688 Rs. 15

S0689 Rs. 10
S0695 Rs. 60
S0696 Rs. 60
S0700 Rs. 60
S0701 Rs. 55
S0702 Rs. 80
S0703 Rs. 50
S0706 Rs. 55
S0707 Rs. 45
S0710 Rs. 60
S0713 Rs. 60
S0715 Rs. 20
S0716 Rs. 60
S0719 Rs. 65
S0721 Rs. 60
S0722 Rs. 30
S0723 Rs. 60
S0724 Rs. 60
S0725 Rs. 60
S0726 Rs. 60
S0727 Rs. 50
S0728 Rs. 55
S0735 Rs. 20
S0740 Rs. 60
S0741 Rs. 50
S0742 Rs. 15
S0743 Rs. 15
S0746 Rs. 60
S0748 Rs. 15
S0749 Rs. 65
S0752 Rs. 60
S0753 Rs. 60
S0754 Rs. 60
S0757 Rs. 60
S0759 Rs. 60
S0762 Rs. 55
S0763 Rs. 55
S0764 Rs. 55
S0765 Rs. 60
S0877 Rs. 217
S0879 Rs. 100
S0881 Rs. 354
S0898 Rs. 187
S0908 Rs. 167
S0914 Rs. 250

S0920 Rs. 233
S0924 Rs. 123
S0926 Rs. 62
S0931 Rs. 50
S0938 Rs. 200
S0940 Rs. 271
S0974 Rs. 150
S0987 Rs. 200
S1003 Rs. 167
S1009 Rs. 46
S1018 Rs. 50
S1033 Rs. 250
S1039 Rs. 167
S1040 Rs. 117
S1042 Rs. 146
S1043 Rs. 250
S1051 Rs. 83
S1055 Rs. 200
S1065 Rs. 200
S1066 Rs. 62
S1067 Rs. 200
S1079 Rs. 200
S1089 Rs. 135
S1097 Rs. 50
S1102 Rs. 200
S1111 Rs. 60
S1112 Rs. 10
S1113 Rs. 15
S1114 Rs. 25
S1115 Rs. 10
S1116 Rs. 15
S1117 Rs. 70
S1119 Rs. 70
S1125 Rs. 25
S1126 Rs. 5
S1155 Rs. 185
S1208 Rs. 60

PS.

S0085 Rs. 80
S0088 Rs. 60
S0089 Rs. 60
S0090 Rs. 80
S0091 Rs. 75

This book which is a product of long-drawn studies, investigations and research, consists of the following four parts:

1. Part one consists of Preliminary Survey comprising two chapters; the first exhibiting a Panorama of Economic Phenomena through the ages, and the second delineating Criteria for Critical Analysis.
2. Part two conducts critical analysis of Capitalism in detail.
3. Part three critically examines socialism as propounded by its exponents, and practiced in various parts of the world.
4. Part four deals with Islamic Economic Ideology, examines it critically and offers suggestions for its introduction in a Muslim community without inviting any catastrophe.

Portion of the book dealing with the Islamic Economic Order begins with the concept of an Islamic State. Its functions are discussed and Theocracy, Democracy and Islamic Polity are fully commented upon. Islamic Monetary System is described in full wherein it is stressed that too many money creating institutions contribute to monetary expansion enormously, thereby frustrating the State's monetary control. The author insists that only the restoration of money making monopoly to the State can enable the State to stabilize the monetary system, control monetary expansion and nip inflation in the bud.

Riba, Usury *and Interest are discussed in the light of the Islamic teachings as well as rational logic*. Association of persons for the purpose of production and distribution of utility goods and services as a partnership or a corporate body is discussed in the light of Islam. Insurance, Speculation, lottery and games of chance are also dealt with in great detail.

Islamic injunctions on dispensation of wealth to the needy and poor; charity; and Zakat (Islamic obligation imposed on Muslims to pay two and a half percent of the wealth in all its forms to those deserving persons mentioned in the Holy Quran) are analyzed in great depth.

Financing the state craft within Islamic guidelines is discussed in detail. Giving practical proposal to achieve this end.

This 570 pages book has retail price of ~~US $ 40/=~~ P.Rs.325/=. For order or further detail, kindly contact Oriental Publications, 115 Mcleod Road Lahore - Pakistan.
ALSO AVAILABLE WITH: MAKTABA DEEN-O-DANISH, CHOWK URDU BAZAR, LAHORE.

BOOK REVIEW

CRITICAL ANALYSIS OF CAPITALISM, SOCIALISM AND ISLAMIC ECONOMIC ORDER

With his fifteen years in depth research Mr. S. M. Ismail has critically analyzed in a single volume Capitalism, Socialism and Islamic Economic Order, the three economic systems of the world. This book tells us all that could be revealed about the two existing economic systems and the Islamic Economic Order which according to the author is as feasible today to solve modern economic problems of the countries as it was in its pristine glory some fourteen centuries ago.

Economics is a social science which deals with the production, exchange and distribution of wealth for the benefit of individuals, groups and society as a whole. Since respective nterests of individuals and groups involved in economic pursuits differ materially from the collective interests of society as a whole, three different economic systems can possibly evolve nd develop as a consequence:-

1. A system laying undue stress on the interests of individuals and groups at the expense of society as a whole;

2. A system laying undue stress on the collective social interests at the expense of individual's basic human rights and freedom; and

3. A system advocating a via media between these two extremes.

Human society has actually adopted and practiced each of these three systems for long in fferent countries at different times; and each has left its indelible imprint on history, which o sensible student of economics can overlook or ignore.

The first and second economic system i.e Capitalism and Socialism are already well nderstood; however both have been critically analyzed in detail by the author. The third onomic system can be that of a "via media" between these two extremes. This middle course cherished much by the under-developed countries of the Third World. Amongst them, the uslim states claim that the principles and some details of this via media are preserved in the ly Quran and Islamic teachings, which can be applied to modern economic situations to nefit the World.

Whosoever will wish to adopt any system (deen
other than Islam, that system will not be accepte
from him.

It should be clarified here that since Allah has
named Islam as His Deen, it would always be called
Allah´s Deen. Since Allah´s messengers (peace be
upon them) were deputed to convey Allah´s *Deen* to
the people. They did not create one themselves,
therefore it is not correct to call Islam " *Deen-*
e-Mustafa" It should only be called Allah´s
Deen.

10. The only problem, which must be addressed is the
method by which we can prove whether we have
established Allah´s Deen or not. The first
evidence about the people where Allah´s Deen is
established is that different sects cannot survive
amongst them. Wherever exist religious sects,
Alllah´s Deen cannot be there, nor those people
will have anything to do with Rasool-Allah(peace
be upon him). In this regard Allah´s message is
very clear. In soora 6 (Al Inaam) verse 16, it
is said:-

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ

The people who create sects in Deen, and become a
group, (O! Rasool) you have nothing to do with
them.

The people who proclaim "*Nizam-e-Mustafa* and keep
belonging to different flag-bearers, should ponder over
the aforementioned verse. As per this verse, when they
have nothing to do with *Mustafa* , how can they proclaim
the "Nizam-e-*Mustafa* ?

We appeal to the intelligentsia of the nation that
they give due consideration to the above mentioned
verses of the Holy Quran, and think how can the claim
by different sects that they will establish "*Nizam-e-*
Mustafa be considered as genuine.

6. The practical way of accepting Allah, the *Haakim* or the *Hakam* is to accept his Book " The *Hakam*. In soora 6 (Al Innam), verse 115, Rasool- Allah (peace be upon him) has announced the divine message which reads:

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِيٓ أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَٰبَ مُفَصَّلًا

Do you want me to accept some one other than Allah as the Authority (to decide); whereas He has revealed such a book which explains everything clearly.

This means that if you accept Allah's Book as *Kakam*, you have accepted Allah as *Hakam*.

7. This is the only book which draws a line between *Kufr*, (meaning the act of non-believing) and Islam. In soora 5 (Al Maeda), verse 44, it is said:

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ فَأُولَٰٓئِكَ هُمُ الْكَٰفِرُونَ

The ones who do not accept Allah's revelations as Hakam, are the ones who are kafir.

8. Even Rasool-Allah (peace be upon him) was ordered in soora 5 (Al Maeda), verse 48 :

فَاحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ اللَّهُ

So decide between them in accordance with revelation from Allah.

9. This is the Deen of Allah (refer soora 3, verse 82). This is what should be called Al Islam; to accept Allah's Book as the Hakam. In soora 3 (Aal-e-Imran) verse 84, it is said:

وَمَن يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَٰمِ دِينًا فَلَن يُقْبَلَ مِنْهُ

(The book which) clarifies and exemplifies everything.

4. The Holy Quran does not have any contradictions. The evidence which Allah Himself has given for the Holy Quran to be divine is that it does not have contradictions. In soora 4 (Al Nisa) verse 82 it is said:

وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَٰفًا كَثِيرًا

If the Quran was from any one other than Allah, you would have found many contradictions in it.

Therefore after accepting the Holy Quran as the common value, no differences can sustain.

5. Ad-Deen, that is, the way of living as ordained by Allah means that one should accept Allah, the *Haakim* (meaning the one who gives the *Hukum* or order) and *Hakam* (the one who decides whenever there is a dispute, that is, the judge). In Sura 12 (Yusuf) verse 40, it is said:

إِنِ ٱلْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ

The authority for deciding matters rests with Allah alone, and

أَمَرَ أَلَّا تَعْبُدُوٓا۟ إِلَّآ إِيَّاهُ

He orders you not to submit to any one other than Allah (that is, one should not take anybody else as the authority. and

ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلْقَيِّمُ

This is the established and definite Al Deen (the way of life)

the better. Their present attitude will result in shaking the foundations of the country and Islam will become a laughing stock for the world. If they really want that Islam should be reestablished, then they must decide and declare how the laws which could be acceptable to all the sects will be made, prior to their becoming the law makers.

If these gentlemen are not willing to comply with the above, we will request the nation that instead of following the slogans of these leaders blindly, they should demand that these slogans should be explained in clear and concrete words.

THE ANSWER

The answer to this "question" is not difficult at all. The readers are requested to think and ponder while they are trying to understand.

1. As we have written before, the flag bearers of "*Nizam-e-Mustafa*ﷺ" belong to different Islamic Sects. Each one of these sects have their own *Fiqah* (Jurisprudence). It is evident that as *long* as all these sects will consider their own Fiqah as unchangeable Islamic Law, no set of laws could be made which will be acceptable to all. Their differences are so deep that each one of these have declared the other one " *Kãfir*", the non-believer, at one time or the other.

2. Only one thing is common to all of them; and that is the Holy Quran. Therefore for them to agree on any one ground, they have no choice except to make the Holy Quran the only basis of law making and ignore all their *Fiqahs*. Further they should consider the Holy Quran the decisive factor and the last word.

3. The Holy Quran does not give slogans. It explains everything in clear words. In soora 16 "Al Nahal" verse 89, it says:

تِبْيَانًا لِّكُلِّ شَيْءٍ

Government control is handed over to the flag bearers of the "*Nizam-e-Mustafa*", the foremost task will be the formation of the unanimous set of public laws. Obviously these different sects will not be able to agree on any such laws. One wonders what will happen then ?

The Pakistan Movement was established on two principles:

1. The two nation theory, and

2. The Pakistan Ideology, that is establishment of an independent state based on Islam.

Hindus (represented by Congress party, the party in British India which opposed creation of an independent Muslim State) and their supporters all over the world used to say that on these principles no one can raise a state, and that gone are the times when the states could be created on religious basis; in today's world no one can do this any more.

On the tragedy of fall of Dacca, that is, the creation of Bangladesh from what used to be known as East Pakistan, most of the leaders of the Congress party and their supporters declared with a loud voice that what they used to say proved to be correct, and that the two nation theory proved to be wrong. Further, they claimed that in due time one will see the failure of the notion of establishing a state based on religion (Islam).

Now if the parliament made up of scholars of different Muslim sects fails to make a set of Islamic Laws to which they could all agree to, the same opponents of creation of Pakistan will get an opportunity to say that their point of view has been proved correct once again.

Our fright of that dreadful day compels us to present this request to these gentlemen, that if they are under the wrong notion that whatever they are doing will result in stability of the country and prosperity of Islam, the sooner they correct their misconceptions

thinking, and remembering Allah...and a social system of brotherhood"

(Nawa-e-waqat 29/7/1977)

In the other article, the *Nizam* is explained as:-

"Universal knowledge....Godly Worship.... Cleanliness of behavior....Great Politics....Knowledge due to fear of God... and extreme intellect due to fear of God"

(Naw-e-Waqat 5/8/1977)

These words will give you an indication of the delicate and superficial covers which are used, intentionally or unintentionally, to hide the definite concept of the Islamic system. This is done, because by explaining the system in a clear and understandable way, their claims that all of the sects are unanimous in this respect, may be shattered. This unsuccessful trial to hide the truth is very similar to the one that took place once before in Pakistani history.

In 1951, twenty one Muslim religious scholars from different sects passed unanimous resolution that all Government laws in Pakistan should be based on "The Book (Holy Quran) and *Sunna*". After a lapse of twenty years one of the main supporters of the resolution had to declare:-

It is impossible to formulate a set of public laws on the basis of The Book and Sunna which all Muslim sects will unanimously accept as Islamic.

(Maulana Maudoodi)

This declaration broke up the so called unanimity of their demand, which they have been presenting since 1951 as Islamic.

The past twenty five years or so have been generally spent on theoretical discussions. it seems that now this issue will be put to test practicall In the forthcoming elections in **October 1977, if the**

will realize that these slogans serve the same purpose as was served by the hocus pocus words such as "Abra Cadabra" in the ancient age of magic. The magical words did not mean anything themselves but they were supposed to carry hidden meanings. For example, if you repeat a word so many times, you were told that your enemy will be overpowered or things like that.

Just as a slogan looses its charm and magical powers after repeated use, so do the religious terms. The weight and effect previously carried by terms like "*Aqamat-e-Deen*" (Establishment of Deen), or "*Hakoomat-e-Ilahia*", (Government of Allah), or "*Islami Nizam*" is not carried by them any more. Therefore there were need for a new term; and that is "*Nizam-e-Mustafa*ﷺ System of Mustafaﷺ. Since all Muslims have a very special regard for their beloved Nabi (peace be upon him) in their hearts, hence this term is more attractive and effective for most of the people. You must have noticed that even this term has been kept vague since the concept attached to it varies from sect to sect just like "*Sunna* of Rasool Allah (peace be upon him). Leaving the different sects aside the two major, Sub-sects of *Sunni Muslims* in the Indian sub-continent, *Barelawi* and *Deobandi* have their own concepts of the *Sunna*. In the present turmoil (late 70's), *Barelawi* sect is represented by Maulana Noorani and the *Deobandi* sect is represented by Mufti Mahmood. They don't even agree on the personality of *Mustafa* (peace be upon him), let alone "*Nizam-e-Mustafa*ﷺ. Therefore it is to the political advantage of both of them to keep the term "*Nizam-e-Mustafa*ﷺ vague. Under these circumstances, it is impossible to have a clear concept of this "*Nizam*" which could be unanimously acceptable to all of the sects as Islamic.

As another example, recently two articles have been published in the daily Nawa-e-Waqt titled " What is *Nizam-e-Mustafa*ﷺ. One of these articles describes the *Nizam* as :-

> *" A system of virtuous equality...a political system of security and justice... as economic system of justice and provision...a spiritual system of meditation*

that is, the one which all Muslims as a Nation agree to be Islamic, does not exist today.

Another of these terms is the "*Sunna of Rasool-Allah* (Peace be upon him) which means the way the last Messenger of Allah (peace be upon him) practiced Islam. You must be thinking that this has to be agreed upon by everyone to be the same since the last Messenger of Allah, whose name was Muhammad (peace be upon him), was an individual, lived in this world only once and therefore practiced Islam only once. But it is not so, As a matter of fact each one of the sects have their own" *Sunna of Rasool-Allah* (peace be upon him)"; so much so that the definition of the term "*Sunna*" is also different among them.

Similarly there are many other terms in use since centuries which have got similar treatment from these sects. Since Politics have become very important in recent times, therefore instead of old terms, which are mostly associated with "Religion", new terms have been created. One of these terms is "*Aqamat-e-Deen*", meaning establishment of Deen. This term has been publicized a lot but no body has yet explained what does it mean in definite words. If the flag bearers of this term explain what do they mean by this term, the religious scholars of the other sects will protest disagreeing with the definition of Deen and cause chaos. Therefore, the promoters of this term consider it in their interest to keep this term vague.

Now-a-days the word "*Nizam*", (system) has become more popular in place of "*Deen*". Based on it, a term "*Islami Nizam*" has been floated. We have already seen that the term "Islam" itself does not carry a definite meaning, therefore the term "Islami Nizam" has not been explained nor it can be.

The fact is that in modern day politics, creation and adoption of slogans has a purpose of its own. Our religious scholars use similar slogans for their purposes. The idea is to use words that do not carry a clear concept, but which could be made popular easily and thus could be used as a weapon against the opposition. If you ponder on it a little deeply you

We are sure, at this stage you must be wondering that although this question is of fundamental importance, you have never thought of it. Further, that you are an ordinary person and your knowledge of "*Deen*" (Islam) is limited and therefore you are unable to answer such a question. At the same time you must be wondering what has happened to our religious scholars that even they could not give a unified reply and inspite of it they have been able to keep their position in Muslim Nation. How come they have been able to satisfy the Muslims about Islam ?

It needs a special technique; and that is creation and use of certain terminology about which the people are convinced that it is "Holy". These so called scholars keep these terms a little vague, that is, clear and concrete concepts attached to these terms are never defined. On certain occasions they would use a particular term and that will be that. For example, one of the fundamental terms is "*Islam*" itself. Every day you here them saying " *Islam order you to do this or that* " or "*Islam says this*" or "*Islam desires you to do the following...*" "Islam" is not the name of an individual that one can attribute a saying to him. They must give reference to any document from which one can find out who has given this order or whose interpretation is it ! *They will never do that; they will mostly keep it vague. the reason being that mostly; it will be their own decision;* which they have presented in the name of Islam or sometimes it will be the decision of their own sect. Of course the decision of any particular sect can not be considered as the decision of Islam. They will always keep this aspect vague.

Similarly there are terms like "*Islami Shariat*" (Islamic Jurisprudence)" or "*Shariat-e-Hagga* (True Jurisprudence)". *Every day one hears statements such as " This is the order of Shariat* " or " This decision is as per *Shariat*" or This is not allowed by *Shariat*" etc. etc. You must be assuming these to be decisions as per Islam but actually these are decisions of any one of sects. Every one of our sects have their own *Shariat*. The one which you may want to call " *Islami Shariat* ",

Now if you ask a Muslim about Islam, he will give you a certain reply. When you ask the same question to different Muslims, you will be surprised to note that every one's answer is different. This is true even for religious scholars let alone the common person. Every one of the scholars gives a different answer. This contention is not all imaginary, it has been proven.

In 1953, In Punjab, a province in Pakistan, riots took place in connection with *"Tehrik Khatam-e-Nabuwat"* (Finality of Nabuwat). An investigation committee was set-up by the government, which was commonly known as *Munir Committee*. It asked religious scholars of different Muslim sects, how would they define a Muslim. This report has been published and is available. Some of these scholars refused to answer the question saying that they would need a lot of time and pages to answer it. The committee report said the following about them:

> *" Amongst these scholars even two did not have the same answer."*
>
> (English report page 218)

You don't have to accept this report. You can yourself ask the religious scholars of different Muslim sects the definition of "Muslim" and "Islam". The replies will themselves convince you of the correctness of the *Munir Report*. It is imperative that when we say the Muslims have left Islam, we should establish a definite concept of Islam. If we don', it is meaningless to say that Muslims have left Islam.

This is the primary reason that the Muslims all over are unable to adopt Islam inspite of their agreeing that they are no longer good Muslims. They do not fully comprehend what they have left and what they should do to remedy the situation. We would like to clarify here that every Muslim sect may be able to define "Islam" as their sect considers it to be, but the Islam which should be common to the Muslim Nation and by virtue of which they are known as the Muslim Nation; none will be able to define.

ONLY ONE QUESTION ?

BY

ALLAMA G.A.PARWEZ

(FIRST PUBLISHED 1977)

(English translation by Ubedur Rahman Arain, Kuwait)

THE QUESTION

It has been a concern for centuries that Muslims irrespective of the sect, group or country they belong to, have left Islam. As a matter of fact this is true for the whole MUSLIM NATION.

Of course it is true, but has any one ever thought about the reasons for it ? How come the whole nation has left Islam ? This much is clear that we have to think about it and try to analyze the prevailing situation.

****

THE ANALYSIS

You ask a communist about the definition of "Communism" he will answer you in clear, distinct, and definite words. You ask the question repeatedly to several communists, every one will have the same answer. In the light of their answers, it will not be difficult to assess if somebody is a communist or not and whether a nation is still communist or has left communism.

Similarly you ask socialists about ""Socialism", they will also give you a definite answer. In the light of their answer you can easily judge if an individual or a nation is still socialist or not.

Likewise, if you ask a western democrat about "Democracy", he will be able to give you a definite answer.